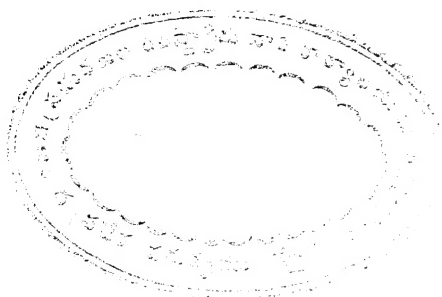


شُعْلَةُ كُلِّ



(مجموعۂ کلام)



شیراز الہی سائم

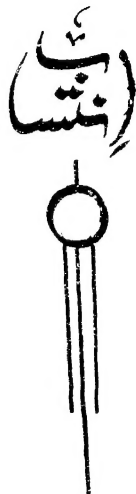
جملہ حقوق بحق فرزند مصنف (میر لائق حسین) محفوظ

نام کتاب :	شماره گل
صفحات :	(۱۲۸)
تاریخ اشاعت :	دسمبر ۱۹۹۲ء
کتابت :	فتیمہ و محمد عبدالرؤف
ٹائٹل :	ولی محمد آرٹسٹ (Artsman)
طباعت :	دائرہ پریس چھپہ بازار حیدر آباد
قیمت :	۴۰/- روپے

جہزوی مالی اعانت : ائذھل پرنٹیش آرڈو اکیڈمی حیدر آباد

ہیلنے کے پتے :

- ۱: "سیاست" سیل کادمنسٹر
- ۲: حسامی ہڈ پو۔ مچھلی کمان حیدر آباد
- ۳: سلمان ہڈ پو۔ دارالشفاء
- ۴: نیکان مصنف 370-3-22۔ منڈی میر عالم حیدر آباد۔ ۲۔



اپنی چھٹی بیٹیوں اور بیوہ ہمارے فرزند میرزا لکٹی حیدر کے نام
 اُن کے خوش آمدست قبول کی ممتاؤں کے ساتھ !

فہرست

- ۲ _____ جملہ حقوق بحقِ فرزندِ معنیّت (میر لائقِ حیدر)
- ۳ _____ انتساب
- ۹ تا ۷ _____ پیش لفظ
- ۱۰ _____ نیاز مانہ
- ۱۱ _____ سکارا احساں کا حصہ
- ۱۲ تا ۱۳ _____ تسخیر
- ۱۶ تا ۱۴ _____ شہرِ اغیار
- ۱۷ _____ آشکارِ فردا
- ۱۹ تا ۱۸ _____ عروجِ آدم
- ۲۰ _____ زلزلہ
- ۲۱ _____ ہم لوگ
- ۲۲ _____ تانہ نو بہار
- ۲۳ _____ ایک سنگتِ سوال
- ۲۴ _____ عصرِ حاضر
- ۲۵ _____ صلحِ آزادی
- ۲۶ _____ گیتی
- ۲۷ _____ یا خدا
- ۲۹ تا ۲۸ _____ لغات
- ۳۰ _____ نئے خاکے
- ۳۱ _____ ایقانِ وذا
- ۳۳ تا ۳۲ _____ شبابِ تیرگی
- ۳۵ تا ۳۴ _____ دورِ ایں

۷۳	مکتوب	۳۶ تا ۳۷	شبا پر نو	۷۳
۷۵ تا ۷۴	احسانِ تنہائی	۳۸ تا ۳۹	میکدہ	۷۵ تا ۷۴
۷۷ تا ۷۶	گناہِ سترت	۴۰ تا ۴۱	آگ کے پھول	۷۷ تا ۷۶
۷۹ تا ۷۸	پناہیں	۴۲ تا ۴۳	رومان	۷۹ تا ۷۸
۸۰	تجدید	۴۴ تا ۴۵	جانِ بہار	۸۰
۸۲ تا ۸۱	زہرِ خند	۴۶	جامعہ	۸۲ تا ۸۱
۸۳	معذرت	۴۷	آگہی	۸۳
۸۴	دیم و اسپیں	۴۸	آخرِ شب	۸۴
۸۵	نزدِ شباب	۴۹ تا ۵۱	عزیمِ سفر	۸۵
۸۷ تا ۸۶	کدم کی چھائیاں	۵۱	ادُصورے گیت	۸۷ تا ۸۶
۸۸	جاہت کا صد	۵۲ تا ۵۳	آستانِ خیالی	۸۸
۸۹	اعتراف	۵۴ تا ۵۵	تسلی	۸۹
۹۰	لذتِ رفتہ	۵۶ تا ۵۷	بازدید	۹۰
۹۱	محورت	۵۸ تا ۵۹	کیفِ مخمور	۹۱
۹۲	عرفان	۶۰ تا ۶۱	جلوتوں کے شرار	۹۲
۹۳	اجتناب	۶۲ تا ۶۳	سہارا	۹۳
۹۴	خوابِ جوانی	۶۴	اُکھن	۹۴
۱۱۲ تا ۹۵	حُبائی	۶۵	غزلیں	۱۱۲ تا ۹۵
	ایک شب	۶۶		
	پائمالی	۶۷		
	اظہار	۶۸		
	شام	۶۹		
	صحنِ حیات	۷۰ تا ۷۱		
	سرمایہ رات	۷۲		

زندگی کے سیل و نہار

پیدائش : حیدرآباد
 خاندانی نام : میر سردار علی
 ادبی نام : سردار الہام
 والد : میر یونس علی صاحب گتہ دار مرحوم
 تعلیم : بی اے سن ۱۹۵۷ء جامعہ عثمانیہ - اردو محلہ کی ادارت
 خانگی طور پر منشی فاضل - جامعہ نظامیہ

مشرف بہ حج و زیارت ۱۹۹۰ء

بمبئی میں قیام : ۱۹۵۷ء تا ۱۹۸۰ء

تصنیفات : سرخ پیچم تلے روسی گریلا - تانڈا اعظم (حیدرآباد)
 بمبئی میں شائع شدہ ناولٹ : آنچلوں کے سائے ۱۹۵۲ء (دوسرا ایڈیشن لاہور سے)
 صبح ہار بھگی پلکیں، بہاروں سے پہلے، پیاسے زمین وغیرہ۔

اخبارات سے وابستگی - صحیفہ (۱۹۷۱ء - ۱۹۷۲ء) پیام (۱۹۷۵ء) ادارت سنگم ہفتہ وار
 بمبئی میں نیوز ایڈیٹر انقلاب ایڈیٹر روزنامہ شام (چار سال) نگران - ماہنامہ قوم "انسان"
 "ذوالفقار" ایڈیٹر "شبنم" "تب رس"۔

ریڈیو سیلون کے بمبئی آفس سے وابستگی بحیثیت اسٹور ۱۹۵۵ء تا ۱۹۸۰ء
 حیدرآباد واپس - ۱۹۸۰ء

موجودہ مصروفیت : ریڈیو، ٹی وی، فلم اور اخبارات کی پالیسی
 فلمیں - "نسیرا" گانے، رستم سہراب (سکا لھے) اور خیرادھوری فلمیں۔

پیش لفظ

کسی بھی شعری مجموعہ پر کسی ناقد، کسی پروفیسر یا کسی مشہور ادبی شخصیت سے مقدمہ لکھوانے کی روایت عام ہے اور لکھنے والا اخلاقی طور پر جانبداری کا برتاؤ کرنے پر مجبور ہوتا ہے یہ رواج زیادہ بہتر اس لیے نہیں کہ مقدمہ لکھنے والے کی پسند یا ناپسند سے ہر کسی کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ اس لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ پھول یوہی بکھرا دیئے جائیں اور تردید تازہ اور خوشبودار ہوں تو خود چمکیں گے۔

البتہ یہ امر کچھ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کے رجحانات شخصیت ماحول وغیرہ کا کچھ اندازہ ہو جائے یعنی وہ کس مکثبہ خیال کا حامی ہے، کس ماحول میں پلا بڑھا ہے اور خود اس کا طرز فکر کیا ہے۔

ہواء میں چند باتیں اپنے باسے ہیں۔ میں نے حیدر آباد کے ایک ایسے گھرانے میں جنم لیا جو مشرقی اقدار و آداب کا پابند تھا۔ ابتدائی زندگی اسی سانچے میں ڈھلی، خاندان میں شعر و ادب کا ذوق صرف مادہ ہی کلام کی حد تک تھا۔

آٹھویں یا نویں جماعت میں تھا کہ شعر گوئی کا رُحمان پیدا ہوا اور بچوں کے ”رُیں“ اور پیام تعلیم وغیرہ میں نظمیں شائع ہوئیں۔ یہ کوئی ۱۹۳۷ء کی بات ہے اس وقت تک اب تک ان آنکھوں نے عام زندگی میں اور ادب اور علم کی دنیا میں کئی انقلاب کی تبدیلیاں دیکھیں۔ مطالعہ کا از حد ذوق تھا چنانچہ اقبال، انیس، جوش کے علاوہ ہر طبع شاعر اور نثر نگار کی تحریروں کا مطالعہ کیا۔

۱۹۴۷ء میں جب عثمانیہ یونیورسٹی پہنچا تو شعر و ادب کے چرچے تو تھے مگر محاشرہ پر جاگیر دارانہ تہذیب کے اثرات اپنے پورے تفسیح کے ساتھ ہادی تھے اور زیادہ تر شعرا کا رجحان غزل گوئی کی جانب مائل تھا۔ میر میلان طبع نظم کی جانب تھا اور ترقی پسند شعراء اور ادیبوں

کے رشحات قلم زیادہ متاثر کرتے گئے۔ اور محترم نے قواس دور کی پوری نسل کو متاثر کیا۔ ۴۵ء میں جب حیدر آباد میں ترقی پسند مصنفین کی تاریخی کانفرنس ہوئی تو اس تحریک سے منسلک ہو گیا پھر بھی اپنی انفرادیت برقرار رکھی اور اس نوعیت کی شاعری نہیں کی جسے آج ”نعرہ یازی“ کا طعنہ دیا جاتا ہے۔

شاعری کے علاوہ زمانہ طالب علمی ہی سے صحافت سے لگاؤ رہا چنانچہ کئی روزناموں اور رسالوں میں کام کیا اور خود بھی کئی پرچے نکالے کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو کر دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ تک سرگرم رہا اور ان سیاسی سرگرمیوں کی بناء پر تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا پھر ۴۹ء میں گریجویشن کی تکمیل کی اور ۵۰ء کے محلہ عثمانیہ کی ادارت بھی کی جو غالباً عثمانیہ سے اردو کا آخری محلہ تھا۔

آزادی کے بعد کمیونسٹ پارٹی جو ملک کی سب سے طاقتور پارٹی تھی کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی اور بہت سے دانشوروں نے آپسی اختلاف سے کنارہ کشی اختیار کر کے سیاست کا میدان ہی چھوڑ دیا۔ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ کمیونزم یا اشتراکیت اور لادینی کو خلط ملط کیا گیا ہے۔ ہر کمیونسٹ یا ترقی پسند کا یہودی ہونا ضروری نہیں چنانچہ میں نے اشتراکیت کو ایک معاشی فلسفہ کی حیثیت سے قبول کیا تھا اور اپنے آبائی مسلک پر قائم رہا۔

۱۹۵۱ء میں حیدر آباد کے فینانس سے بننے والی ایک فلم میں لکھنے کا موقع ملا تو بمبئی پہنچا اور کوئی تیس سال وہاں گزارے فلموں کے لیے بھی لکھا صحافت سے بھی وابستہ رہا اور کوئی ۲۵ سال ریڈیو سیلون کے بمبئی آفس سے بحیثیت رائٹر منسلک رہا فلموں کی حد تک ”رستم سہراب“ ایک ایسی تصویر ہے جس کے مکالمے پسند کئے گئے اور فلم چلی بھی۔

سٹوڈنٹ کے بعد ایک عرصہ تک وہ دور رہا جسے ”ادب میں جمود“ سے تعبیر کیا جاتا ہے بنگلہ ادب جامہ و ساکت نہیں بلکہ ایک ہتھ دھارا ہے۔ ہر دور میں نئے رجحان پرورش پاتے رہے۔ غالب نے روایات سے انحراف کر کے ایک نئی ڈگر اپنائی انبیا نے بھی نئی وسعتیں تلاش کیں فیض نے نئی غزل کو نکھارا اسنوار اور اس کے بعد جدیدیت کے نام سے جو رجحان شروع ہوا وہ کوئی تحریک نہیں بلکہ ترقی پسندی ہی کی توسیع ہے۔

جدیدیوں میں یقیناً بعض بہت اچھے شاعر ہیں مگر جدیدیت کے نام پر ہر ایک کو ششپوش کی ستائش تو بہر حال نہیں کی جاسکتی۔ علاوہ ازیں آج کے ناقدین کو جانبداری اور گروہ بندی کا رُحمان چھوڑ کر دیانتداری کا ثبوت دینا چاہیے۔

بس ان چند خیالات کے بعد اپنی حید کا دُشیں پیش ہیں۔ جن کا ہنظر غائر جائزہ لیا جائے تو کسی حد تک انفرادیت ضرور نظر آئے گی اور تراکیب اور تشبیہات کی تلاش تو کئی اہل علم نے کی ہے۔ پھر بھی خود کو کوئی اہم شاعر نہیں سمجھتا البتہ پچاس سال اس فن کی لگن میں صرف کئے ہیں تو ضروری سمجھا کہ جو کچھ سرایہ ہے وہ ندرِ ناظرین کر دیا جائے۔

آخر میں جناب رفعت صدیقی کا ممنون ہوں کہ ان کے اصرار پر اس کام کی تکمیل پر آمادہ ہوا اور جناب محبوب علیخان صاحب اچھر کا تعاون بھی شامل حال رہا۔

سردار الہام

نیازِ زمانہ

انگوٹھائی لے کے جاگ اُٹھی صبحِ زندگی
 رعنائی و جمال کے سوتے اُبل پڑے
 گم کردہ راہِ صدیوں کے خوابیدہ کارواں
 آخر حیاتِ تازہ کی راہوں پہ چل پڑے
 محرمیوں کا غم ہے نہ آثارِ تیسرگی
 ابھرا نئے اُفتخ سے پھر اک آفتابِ نو
 تہذیبِ عصر جیسے جنم لے رہی ہے آج
 منزل کی تھی تلاش تو بیہیم رواں دواں
 یا ارتقا کی چھاؤں میں دم لے رہی ہے آج
 دستِ شباب بڑھ کے اُٹھ لے حجابِ نو

بیابانِ دماغِ غرب ہے ابھی ذوقِ جستجو
 اٹھلا رہی ہے ناز سے میلے آرزو
 مستیِ بھری نضاؤں میں نغمےِ شہرِ فشان
 سینچا ہے اپنے خول سے گلستانِ رنگِ بو
 رکھ لی ہے آج ہم نے شہیدِ دل کی آبرو

کارِ احساں کا صلہ

ابنِ آدم کو رِتابت پر جو اکسایا گیا !
وہ گناہِ اولین تا حشر دہرایا گیا !

زرِ زمین و زن کی خاطر اس جہاں میں بارہا
جنگ کے بریادکن شعلوں کو جھپٹا دیا گیا

ہمیشہ و شیمانسلِ انساں کی تباہی کا گواہ
ایٹھی آتش کی صورتِ قہر برسا دیا گیا

حرفِ حق سُننے کا کس میں حوصلہ ہے ہم نشیں
ہم ہی کیا پیغمبروں کو بھی ٹوٹھٹایا گیا

پس کبر و صبر و رضا و قناعتِ نفسِ مطمئن
وہ کہ جس کو خود اُسی کے خوں میں ہلایا گیا

جس سے اک ربطِ عقیدت تھا مسحا مان کر
پھر اُسی کو آخر شش سول پہ لٹکایا گیا

سور یہ نشی تھا وہ اور مرید اُپرِ شوتم لقب
جس کو بے جرم و خطا بنائی بھٹکایا گیا

پیرِ پیغمبرِ رُشی اوتار آتے ہی رہے
گمراہوں کو مقصدِ تخلیق سمجھایا گیا

کارِ احساں کا صلہ تو نہ رہے یاد رہے
خیر سے شر آج بھی آمادہ پیکار ہے

تسخیر

(خلائی ہمت کے پر، منظر میں)

تارے یہ چٹک کر کہتے ہیں اب ظلمت پر یلغار کریں
 آؤ کہ سنواریں کا کل شب
 اُٹھو کہ سجائیں بزم طرب
 دنیا کو تجلی زار کریں
 اب ظلمت پر یلغار کریں

یہ رقصِ شمس و قمر کیا ہے، یہ دورِ شام و سحر کیا ہے
 ہنگامہِ علم و ہنر کیا ہے، افسانہٴ قلب و نظر کیا ہے
 معیارِ مال و گہر کیا ہے، اور قیمتِ دیدہٴ تر کیا ہے
 صدیوں کی محنتِ انسانی کا حاصل کیا ہے، ثمر کیا ہے

محفل پہ غموشی طاری ہے، تنہائی میں شورِ شجہ جاری ہے
 ہر آہ سلگتا شعلہ ہے، ہر سانس بھی چنگاری ہے
 ہر ساعت ایک قیامت ہے، ہر لمحہ دل پہ بھاری ہے
 وابستہٴ ساحل کیا جانیں کس طوفاں کی تیاری ہے

پھر داغِ جگر کو دینے لگے، پھر چشمِ تمنا بھر آئی
 مشتاقِ نگاہوں سے اُدھل اب بھی ہے جمالِ رعنائی
 روشیرہِ فطرت کا ہے وہی اندازِ جلوہ آرائی
 یہ وسعتِ ارض و سما کیا ہے چھانیں گے فلک کی پہنائی

لو قلبِ آدمِ خاکی میں تسخیر کا جذبہ جاگ اٹھا
 اب ذہن کے تیرہ گوشوں میں غرآن کا شعلہ جاگ اٹھا
 ہر گام نئی منزل کا گماں ہر سمت نیا جلوہ پیدا
 تحریکِ عمل بیدار ہوئی اور عزم ہمالہ جاگ اٹھا

9

پھر طور کو شعلہ بار کریں، پھر آرزوئے دیدار کریں
 اب ظلمت پر یلیخا کریں

شہرِ اغیار

(نذرِ حبیبی)

یہ شہر ہے مست بہاروں کا، یہ شہر حسیں نظاروں کا
 یہ شہر طرحداروں کا ہے، مہ پاروں کا دلداروں کا
 یہ دیدہ دروں کی بستی ہے یہ شہر ہے جلوہ زاروں کا
 یا کھلتی کلیوں، ہنستے پھولوں، ناپتے گاتے تاروں کا

کہیں خلوت کی خاموشی ہے کہیں شور و شر بازاروں کا
 کہیں جشِ طرب زرداروں کا کہیں نوحہ غم ناداروں کا
 کبھی پیار کبھی اقرارِ وفا، گہ رقصِ اپنی تلواروں کا
 پامال کلی دہراتی ہے افسانہ مست بہاروں کا

جب چرخ پہ تارے کھلتے ہیں اور رات جیس ہو جاتی ہے
 یہ دنیا چادرِ عصیاں سے منہ ڈھانپ کے جب سو جاتی ہے
 ہر گوشہ شہر میں یاب کی دیری ناچتی ہے رات راتی ہے
 کوئی گھٹائیں دل کوئی بسمل ہے آوازِ نغاں بھی آتی ہے

کہیں ماتھے کی بندیا مٹتی ہے کہیں مانگ کا سیندور اُڑ جائے
اس گلشن میں کتنے غنچے کھلتے ہی اکشر مرجھا جائے
جب ساز چھڑے پائل باجے ساغر سے ساغر ٹھکرائے
ہستی کی صدائے محرومی گیتوں کی لہے میں کھو جائے

ارمان سچے ارمان مٹے دل بستے اُجڑتے رہتا ہے
کوئی پار اتر ا کوئی ڈوب گیا اور وقت کا دھارا بہتا ہے
کوئی ہنس ہنس کے کوئی رورور کے افسانہ دوراں کہتا ہے
انسان تو ہے مجبورِ دفا جو دل پہ بیتے سہتا ہے

یاں سیم و زر کے ساپنوں میں انسان بھی ڈھالے جاتے ہیں
ہر روز ہی سوئے دار یہاں اُن گنت جیا لے جاتے ہیں
یاں قصرِ امارت میں اکثرِ عسرت بھی پالے جاتے ہیں
یاں کتنے ہی معصوموں کے سر نیزوں پہ اُچھلے جاتے ہیں

ہر بام پہ جلوہ ارنزاں ہے پرچشمِ تمنا ہے کہ نہیں
ہر جلوہ بابِ عبرت ہے اور دیدہِ بینا ہے کہ نہیں
یہ شام و سحر تقدیرِ بشر اک کھیلِ تماشہ ہے کہ نہیں
نیرنگیِ دوراں رنگِ جہاں یہ دُنیا، دُنیا ہے کہ نہیں

بے رونق ہر تنویر یہاں، ہر خواب ہے بے تعبیر یہاں
 ہر سعی یہاں لا حاصل ہے بے جان ہے ہر تدبیر یہاں
 اوردوں کے اشاروں پر اکثر کھل جاتی ہے تقدیر یہاں
 کہ پھول برسنے لگتے ہیں کہ نہ ہر میں ڈوبے تیر یہاں

یہ جھوٹے نگوں کی شیشہ گری تہذیب نوی کہلاتی ہے
 جاری ہے فریب زرداری کیا کیا جلوے دکھلاتی ہے
 ہر گام پہ دھوکہ دیتی ہے، ہر گام پہ دھوکہ کھاتی ہے
 مٹ جاتی ہے جب تاریکی شب، تب صبح درخشاں آتی ہے

ٹوٹے گا طلسم رنگ دلو اک دن یہ بھرم کھل جائے گا
 ہستی کے ملوث دامن کا ہر داغ گنہ مٹ جائے گا

آثارِ فردا

حیاتِ منت نئے سانچوں میں ڈھل رہی ہے ابھی
 سرشتِ عرصہ گیتی بدل رہی ہے ابھی
 ابھی جہاں میں ہے فرمانِ اہرمن جاری
 رواجِ کہنہ کی زنجیر کھل رہی ہے ابھی
 خمارِ بادۂ تہذیبِ زر اُترنے لگا
 قدمِ قدم پہ جوانی سنبھل رہی ہے ابھی
 ابھی نگاہ سے اوجھل ہے منزلِ ہستی
 بہ احتیاط، رہِ نو پہ چل رہی ہے ابھی
 ابھی تو حسنِ جہاں، وقفِ بے نیازی
 نگارِ دہر کی شوخی مچل رہی ہے ابھی

نویں صبح بہاراں ہے زندگی ہے یہی
 پیامِ تازگی درروحِ غنچہ گئی ہے یہی

عروجِ آدم

خوشاکہ ہم نے ستاروں پر پھینکی ہے کمند
عروجِ آدم خاکی ہے فتحِ عزمِ بلند

اُٹھاپے ازپے تخیرِ کائناتِ بشر
ہے امجِ دو سعتِ افلاکِ آج پیشِ نظر
تارے زیرِ قدمِ کھکشاں ہے راہِ گذر
نیا ہے ذوقِ تجسس، نیا ہے شوقِ سفر

دلوں میں حوصلہ نو ابھر رہا ہے ابھی
جمالِ وحسنِ تمنا سورا رہا ہے ابھی

برفینِ فکر و تخیل بہ وصفِ علم و ہنر
مہ و نجوم کی ہم آج لاس ہے ہیں خبر
دلی عظمتِ انسان ہے محنتوں کا ثمر
بشر کہ اب نہ رہے گا اسیرِ شام و سحر

کھلیں گے اور ابھی اسرار کائنات ابھی
کچھ اور نکھرے گا رنگِ رخِ حیات ابھی

ابھی تو صحنِ جہاں وقتِ بے نیازی ہے
ابھی تو چہرہ گیتی پہ گردِ ماضی ہے
ابھی زمین پہ ہے رقصِ زرگری جاری
ابھی تو لٹنے پہ مجبور خود بھی راضی ہے

ہے اب بھی دہریں خونِ بشری ارزانی
اسیرِ ظلم و تشدد ہے نوعِ انسانی

تیرے غموں کا مداوا تیرے دکھوں کا علاج
ہمارے بس میں بھی ہے اور ہمارے بس میں نہیں
جو مل کے اکٹھیں تو تسخیرِ ششِ جہات کریں
وہ کون شے ہے جو انسان کی دسترس میں نہیں

دلِ وجود کے احساسِ کامراں کی قسم
اسی زمین پہ لہرا دیں امن کا پرچم

زلزلہ

دہر کی خاطر کیئے ان نے کیا کیا جتن اہل دل سمجھتے رہے سامانِ تزئین چمن
اہل دانش نے نکھارا زندگی کا بانگین حیف باوصف ہزاراں طمطراقِ علم و فن
بارہا سجتی اجڑتی ہی رہی یہ انجمن

ارتباطِ آب و گل ہے آج بھی ناپائیدار زندگی اور موت کا رشتہ ہے ابھی استوار
اب بھی اک حکم فنا پر ہے زمانے کا مدار ہے وہی اندازِ فطرت اور وہی لیلِ دہوار
کیسی رونق کیسی دیرانی خزاں کیا کیا بہار

بستیاں دیراں ہیں برباد گلشن ہو گئے آئی کچھ ایسی تباہی گھر ہی مدفن ہو گئے
کل تھا جشنِ نو بہاراں اور اب اہل چمن دقتِ گریہ محو ماتم، صرف شیوں ہو گئے
اہل ایواں آج محنتِ راج نشین ہو گئے

کتنی بہنوں کے برادر کتنی ماؤں کے پیر کتنی گودوں کے اُجالے لختِ دل فوراً نظر
ایک شب میں لٹ گیا جانے کس کس گہگ ہو گئی ہیں جانے کتنی عصمتیں اب در بدر
موت رقصاں ہر طرف ہر سو تباہی کا گذر

آج کُن آنکھوں سے دیکھیں فرقِ جبر و اختیار آج کس دل سے کر دیں ہم زندگی کا اعتبار
نہستی کی حکمرانی بے ثباتی کا چلن مقدر ہے موت ہستی کھرچکی اپنا وقار
آج اے علمِ بشر کمرے شکستوں کا شمار

ہم لوگ

گدا ز عشق کی دولت تو دے گئے ہم لوگ
دلوں کو عزمِ جبارت تو دے گئے ہم لوگ
یہ مانا ہر شب کے چراغ تھے لیکن
نئی سحر کی بشارت تو دے گئے ہم لوگ
لٹاکے جانِ حزیں لیلیٰ وطن کے لیے
فرزدار کو عظمت تو دے گئے ہم لوگ
کدورتوں کے اندھیرے میں چمکے برقِ صفت
بہاں کو درسِ محبت تو دے گئے ہم لوگ
عزیزِ تنہا دل و جاں تھا حریت کا ثمر
کہ قوم کو یہ امانت تو دے گئے ہم لوگ
اسیرِ ہم و جہالت تھا کب سے ذہنِ بشر
خیال و فکر کو وسعت تو دے گئے ہم لوگ
سیرہ کار و تشدد شکارِ دنیا کو
پیامِ امن و اخوت تو دے گئے ہم لوگ

”قافلہٴ نو بہار“

(نئے شاعروں کے نام)

خوشالے دل کہ مقام قرار آیا ہے
چمن میں قافلہٴ نو بہار آیا ہے

کھلیں گے آج پھر افکار تازہ کے گل تر
یہ اہل درد کا بے پایاں مہنتوں کا ثمر
ہے جس کے رنگ میں شامل ہمارا خونِ جگر
بڑے جتن سے سنواری محنتی بزمِ تلکِ نظر
کہ شاخِ آرزو ہوگی پھر آج بار آور
قدم قدم پہ جلائے چہرا رخِ علم و ہنر
صعوبتِ غم ہستی تھا اپنا سرمایہ
زہیں کا درد سمیٹا، گذارِ دل پایا !

کبھی جو منزلِ دار و رسن سے گذرے ہیں
تو یہ جہاں اسی بانگین سے گذرے ہیں

پھر اُس کے بعد جو بے سمت کاروان ہوا
بڑھے جو شوقِ تغزل میں رہروانِ وفا
کچھ ایسے راگِ الپے کہ زندہ گیا ہے گلا
مدا و اچاہا تو پھر زخمِ دل ابھر سے گئے
کہ مستعار نہ تو قلبِ غیر کی دھڑکن
کہ مات کھا چکے مغرب کے فلسفے سارے
غل کے جلوؤں سے نکلیں یہ نثرینِ رہی
یہ دل جو اپنا ہے اپنی تڑپ ہو اپنی لگی
رہ یقین سے پرے واہموں کے اندھیار
ہماری فکر ہے وابستہ یقین ابھی

اٹھو بڑھو کہ نمی نزلیں بلاتی ہیں ! !
نیا شعور، نیا حوصلہ جگاتی ہیں ! !

”ایک سُگلتا سوال“

(سوویت یونین میں کمیونزم کی ناکامی - یا قیادت کی گمراہی ؟)

ایک دانشور جو آیا تھا محیفہ در بغل
منفصل انسانیت کو دے گیا درسِ عمل
جگمگایا دہر کی تاریخ کا رنگین باب
کتے خوش آئند تھے وہ نعرہ پائے انقلاب
گوخ اٹھی سرفروشوں کی جو آوازِ حبس
کاخ والوں کا پٹھے تھرا گئے اہلِ دول
ظلمتوں پر فسخ پائی نور بجھراتے حیلے
امن اور آسودگی کے پھول بہکاتے حیلے
مرد و زن پیرو جواں سبھے جو سرگرمِ عمل
ہر کسی کو مل رہا تھا اپنی محنت کا بدل
بہب ہوس نے کھیل کھیل آتشِ دبار و دکا
زعم و انانی نے پھر دہکا دیا آتشِ کدہ
قحط کی فصلیں اُگیں، نانِ جویں تک چھین گئی
گوخ اٹھے ہم کے دھاکے بن کے پیغامِ اجل
برتری کے نشہ میں تھے خود فراموش اور ست
کل تو مستغنی تھے اور اب ہو گئے کا سہ پست
جن مہتوں کو ہم نے پوچھا اگر گئے وہ سر کے بل
کیا یہی ہے اُن گشتِ قربانیوں کا حاصل !

عصرِ حاضر

کتنی صدیاں کھا چکی تہذیبِ انسانی مگر
 کاروانِ ارتقاء کی ست گامی ہے ہی
 ساتی نامہرباں در بند میخانہ رہا
 میکشانِ زندگی کی تشنہ گامی ہے ہی
 دولتِ تہذیبِ عصرِ نو سُمٹی ہی رہی
 نوجوانی کے لیے یہ د سعتیں محدود ہیں
 رقتِ گذرا زار و کسریٰ کے زمانے لد گئے
 اب پجاری بھی نئے اور نت نئے معبود ہیں
 جرأتِ پرداز کو پا بند کرنے کے لیے
 مصلحت ہر کام پر اک دام بنتی ہی رہی
 کتنی نو آغاز کلیوں کو کچل ڈالا مگر
 فکرِ انسان تر بتوں کے پھول چنی ہی رہی
 اضطرابِ تازہ تمہیدِ شکیبائی نہیں
 چند سانسِ فنیسِ اجسامِ مسیحائی نہیں

صبحِ آزادی

ہر سنی عمل مشکور ہوئی، تکمیل کی منزل دور نہیں
ہر موجِ تلاطم خیز سہی اُمید کا ساحل دور نہیں

یہ نورِ صبحِ آزادی اک دورِ نو کا پیامی ہے

تاریخ نے اُلٹا باب نیا اتمامِ عہدِ غلامی ہے

پہونچے توبِ ساحل پھر بھی احساسِ تشنہ کامی ہے

شادابی گلشنِ نام کو ہے بے رونق ہیں یہ شامِ سحر

ہے آہ بھی مایوس اثر، محروم ہیں اب بھی تلبِ نظر

کہنے کو بہا رانی ہے مگر مہکای نہیں کوئی گل تر

پرواز کی طاقت سلب ہوئی اور وسعتِ امکان باقی ہے

اک وقفہ تو سکیں سمجھے اور درد کا درماں باقی ہے

تشکیلِ چین، ترپنِ وطن تجدیدِ بہاراں باقی ہے

مجبور تھے جو مجبور رہے مغموم تھے جو مسرور نہیں

دیدار کے طالب لاکھوں ہیں اور پیشِ نظر کوئی طوش نہیں

یہ گوشہٴ دل آغوشِ نظر جلوؤں سے مگر معمور نہیں

بدلے گا ابھی دستورِ جہاں اب وقتِ کافراں اور ہی ہے

ماننی کے خزینے دفنا دو تاریخ کا عنوان اور ہی ہے

لے عزیمتِ جوانِ روحِ دورانِ پیغامِ بہاراں اور ہی ہے

گیتی

سر پہ آہنچل نہیں بکھرے ہوئے گیسو کیوں ہیں
 متمایا ہوا چہرہ کچھے ابرو کیوں ہیں
 ان گھٹی پلکوں پہ ہمے ہوئے آنسو کیوں ہیں

رخ روشن ہے نہ ہونٹوں پہ مسرت کی لکیر
 تہر آلود نگاہیں ہیں کہ پچھتے ہوئے تیر
 فکرِ زندانِ روایات میں اب تک ہے اسیر

خوں میں لتھڑے ہوئے جو بن کو سنواریں آؤ
 اُن گنت صدیوں کا لبوس اتاریں آؤ
 کر دیں قربانِ جوانی کی بہاریں آؤ

ظلم کی چھ اڈوں میں بیتے ہوئے ایام کی یاد
 ایک فرسودہ تصورِ غم و آلام کی یاد
 مسکراتے ہوئے آئے اُفقِ جام کی یاد

زندگی نت نئے سانچوں ہی میں ڈھل جائے گی
 اک ذرا صبر کہ تقدیر بدل جائے گی

یا خدایا

(کسان کی التجا)

خدائے برقِ دباراں

حیاتِ افزا غماصر پہ ہے نازاں

غنایت سے گر نیاں

فلک پر برقِ خرمن سوز چسکی	کہ یہ اک چھیڑ ہے ابرِ کرم کی
زمین پر خشک سالی کا چلن ہے	ہلاکتِ آفرینی سگہ زن ہے
زمانے کی تباہی خندہ زن ہے	ہماری بے گناہی خندہ زن ہے
زمینِ پاک کا صد چاک سینہ	درونِ بطنِ فطرت کا خزینہ
میرے کھیتوں کی رونق مٹ گئی ہے	غریبوں کی امانت لٹ گئی ہے
موشی اب زمین چلتے ہیں	یہ لاغر جسم رخنے پلٹتے ہیں
سکتے ناتواں بچوں کی آہیں	ضعیف العمر دہقاں کی کراہیں
روانہ موت کا اک تافلہ ہے	یہ صدیوں کی مشقت کا صلہ ہے
زمین کو قوتِ بالیدگی دے	کسانوں کو پھر اذنِ زندگی دے

خدائے برقِ دباراں

ہے تجھ پر اعصارِ نظمِ دوراں

بقاءِ نوعِ انسان

تعارف

اس سے پہلے بھی دل زار نہ دیکھا کہیں
یہی رویا ہے حسیں

یہی رخسندہ جس جیسے سحر کی تنویر
یہی ابرو کے خمیدہ، یہی کا جل کی لکیر
کسی آذر کے حسیں خواب کی نگین تعبیر
دستِ نازک پہ یہ دھندلی سی خنک تخریر

یہی ہونٹوں کی حلاوت، یہی آنکھوں کی شراب
اک اشارہ کے کھلیں عشق کے رنگین ابواب
انہی پلکوں پہ درخشندہ ثناؤں کے خواب
زندگی کے لہجہ رنزا کی الٹ جائے نقاب

تم زائچا تو نہیں یوسف کنعاں کے لیے
کلوٹرا تو نہیں شوقِ فروزاں کے لیے
سلطنتِ مصر کی بنیاد ہلادی جس نے
توتخِ دہر کی تقدیر سلا دی جس نے

تم وہ سیلی تو نہیں نجد کے صحراؤں میں
اسی شیریں کے سبب پیالے افسانوں میں
مضطرب آج بھی جس کے لیے روحِ مجنوں
جھگڑ گیا رنگِ تمناؤں کا فساد کاخوں

لذتِ عشق کی آدم کو ہلادی تم نے
زہر بھی شیونے ہنس ہنس کے پیا جس کیلئے
یا نسری پیار کی کرشن کو سنادی تم نے
رہبرِ خضرؑ کو بھی راہِ محبُ سلا دی تم نے

شوخی مصر ہے بغداد کی برنائی ہے
رخ پہ معصومیت چین نکھر آئی ہے

حسن کشمیر کی شادابی و رعنائی ہے
نورِ ایران ہے، پیرس کی مسیحائی ہے

رُخ پُر نور پہ ہے صبحِ بناارس کی ضیا
تم جہاں آ کے ر کے وقت وہیں ٹہر گیا

زلفِ شبِ رنگ ہے یا شامِ اودہ جلوہ نما
چشمِ میگوں ہے کہ بنگال کا کافر جادو

آرزو بن کے میرے قلب میں آباد ہو تم
اس سے پہلے بھی دل زار نے دیکھا ہے کہیں
یہی رویائے حسین

وجہِ تخلیقِ جہاں، دہر کی بنیاد ہو تم

سے فدا

اُبھر کے سطحِ جوانی سے ڈوب جاتی ہے
وہ موج جس کو تمنا کا آسرا نہ ملے

سرشتِ زلیست تلاطمِ بادش ہے لیکن
وہ کیا کرے کہ جسے اذنِ ارتقا نہ ملے
پناہ ملتی ہے مگر اہیوں کے دامن میں
شباب کو جو نشانِ رہِ بقا نہ ملے

جوازِ تشنہ لبی ڈھونڈتے ہیں دیوانے
جو ناشناسِ رہِ درسمِ میکدہ ہیں ابھی
تمامِ عمر جو جامِ تہی بدست رہے
بہ وصفِ ساتیٰ فیاضِ غم زدہ ہیں ابھی

حیات پر ابھی محرومیوں کے ساتھ ہیں
یہ چھٹ سکیں تو پھر اک بار جگمگائے گی
خزاں نصیبِ جوانی بہار آنے پر
نئے گلوں سے یہی میکدہ سجائے گی

یہ آہِ نیم شبی دلگداز فریادیں
عجب نہیں یہی لہجہ سروشِ ہر جاتیں
یہ زندگی کا دہکتا آواز یہ شعلے
خلیلِ نعلین ہو تو گلستانِ بدوش ہو جائیں

ایقانِ وفا

زلفِ تقدیر بہر طور سنور جاتی ہے شوخیِ زیست بہر رنگ نکھر آتی ہے
ہر گھڑی صبح بہاراں کی بشارت دیکھ دلِ مغموم کو بہلا کے گزر جاتی ہے

ہے اسی رنگ میں رقصِ سحر و شام ابھی دور تھی دور ہی ہے منزلِ اتمام ابھی
جذبہٴ عشق ہے بیگانہٴ انجام ابھی یاد ہے دل کو نگاہوں کا وہ پیغام ابھی

تیرے جلوں سے ہیں معمور ابھی قلبِ نظر ہے ابھی سجدہ کہ شوقِ تیری راہ گزر
وہی دیرانی شب ہے وہی تنہائی ہے چشمِ نمناک دلبالہ کش ددیدہ تر

بزمِ تخیل کو جلوں سے سجھا رکھا تھا خلوتِ دل کو صنم خانہ بنا رکھا تھا
چاند تاروں نے بہاروں نے نگاہوں نے کہا لیکن اس دل نے تیرا راز چھپا رکھا تھا

شوقِ دارفتگیِ دل کے حکایاتِ جمل صبحِ دیدار شبِ ہجر کے لمحاتِ طویل
زیستِ ایقانِ وفا ہی سے عبارت ہے ابھی یہی ایقان تو ہے صبحِ مسرت کی دلیل

شبابِ تیرگی

رات کی یہ سحر آگسِ ظلمتیں
 لیلیٰ شب کی جوانی کا نکھار
 لطف کا بو جھل نشہ، کیفِ فراواں کا خمزار
 یہ شبابِ تیرگی اور یہ اندھیروں کی بہار
 گہری گہری کھائیاں، تاریک غار
 چھارہ ہی ہیں چار سو دھندلاہیں

خواب کی آغوش میں ہے زندگی
 رشام کے پھیکے اُجالے کھو گئے
 ختم آخِر نور کے سارے فسّے ہو گئے
 جگمگاتے جاگتے تارے بھی تھک کر سو گئے
 آسماں کے داغِ روشن دھو گئے
 تیرگی نے چھین لی تابندگی

سرد آوارہ ہواؤں کے یہ راگ
 سانولی راتوں کا البیلا سہاگ
 جاگ لے شمعِ شبستانِ جوانی اب تو جاگ
 رقصِ کبھی بھری برسات کی راتوں میں ناگ
 قلبِ شاعر میں دھک اٹھی ہے آگ
 یک بیک خود ہی سنور جائیں گے بھاگ

شب کی دوشیزہ بہاروں کا خروش
 یہ سلونی راتِ فطرت کا جمال
 ذہن کی پنہائیوں میں ناچتے ہیں کچھ خیال
 رعبِ حسنِ شوقِ خود آرائی و شانِ جمال
 نظریں اٹھتی ہیں بہ اندازِ سوال
 وہ پیشیاں مہرِ ہر لب اور خموش
 مہرِ ہر لب

”دُورِ تیں“

بزمِ مہتاب سبھی رات جیسیں ہوتی تھی
رُشکِ فردوسِ زمیں ہوتی تھی

دیدنی تھا کبھی دوشیزہ فطرت کا نکہا
جیسے گونج اُٹھے فضاؤں میں کہیں ستار
مرعش ہونے لگے بر بطل کا ہزار

جانداروں کی لنگاہوں سے پھلکتا تھا خسار
گنگنائی تھی لرب خیز جوانی کی بہار
یا کسی پیار بھرے دل کی مشکوں سوزِ لپسار
بزمِ مہتاب سبھی رات جیسیں ہوتی تھی !
رُشکِ فردوسِ زمیں ہوتی تھی !

ساغرِ مرہ سے پھلکتی ہوئی صہبا ظہور
حُسن کے جلوہ نگین سے لگا ہی معمور
لبِ گستاخ نہ تھے عرضِ وفا سے مجبور

رات کے پیرِ مین تار سے چھپتا ہوا نور
نشہ عشق و وفا، جذبِ محبت کا سرور
لذتِ قرب نہ تھی دستِ شوق سے دُور
بزمِ مہتاب سبھی رات جیسیں آج بھی ہے
رُشکِ فردوسِ زمیں آج بھی ہے

وہی راتوں کی جوانی وہی حسنِ مہتاب
اُہ مایوسِ اشراور تٹنا تے تاب
زندگی کے رخِ رعنا کی اُستی ہے نقاب

وہی رنگینیِ موسم، وہی تاروں کا شیاپ
دلبری کی وہ ادا ہے نہ وفا کے آداب
چھپر کر نغمہ نو توڑ دیا دل کا رباب
بزمِ مہتاب سبھی رات جیسیں آج بھی ہے
رُشکِ فردوسِ زمیں آج بھی ہے

نگہِ عشق بہ حسرت نگر اے آج بھی ہے
دلِ مغموم کو احساسِ زیاں آج بھی ہے
جس سے آباد تمنا کا جہاں آج بھی ہے

وہ بہاریں وہ محبت کا سماں آج بھی ہے
شمع کے شعلہ کشیہ کا دھواں آج بھی ہے
زیست پر سایہ گنِ عشق تباں آج بھی ہے
بزمِ مہتاب سچی رات تیس آج بھی ہے
رشکِ فردوسِ زمیں آج بھی ہے

دل کو آغوشِ محبت میں پناہیں نہ ملیں !
تیرے معصوم تبسم کے سہارے نہ رہے
نگہِ ناز کے معیار بدلتے دیکھتے
برسرِ بزمِ اسے ہنس کے بھلایا تم نے

جگمگاتی رُخِ زیبائے سوراہیں نہ ملیں
جنہش لبِ خمِ ابرو کے اشارے نہ رہے
میں نے اس بزم کے اقدار بدلتے دیکھے
کل جسے دل میں لنگاہوں میں بسایا تم نے

دو قدم ساتھ چلے آ کے دورا ہے پہرے کے
آخرِ شب کے ستارے کی طرح ڈوب گئے

آرزو خاکِ بے اور تمنا پا مال
وجہِ تسکین ہے ابھی لذتِ رفتہ کا خیال

تیری فرقت کی خلش تیری جدائی کا مال
آج بھی عشق ہے بیکانہ آغاز و مال

خاک کے ذروں سے اب شمس و قمر پیدا کر
ظلمتِ نجات سے آثارِ سحر پیدا کر

عشق کہتا ہے کہ آہوں میں اثر پیدا کر
گر مٹی قلبِ تابِ قلابِ نظر پیدا کر
بزمِ مہتاب سچی رات تیس آج بھی ہے
رشکِ فردوسِ زمیں آج بھی ہے

مکتوب

سلام شوقِ طر حار و گلخدار دکن
 سر و سرو و سمن وجہ رونقِ گلشن
 تیرے تبسم رنگین نے مجھ دیا دامن
 رضا میں پھیل گئی جیسے کوئے مشک خشن
 حسیں دلالہ رخ و گلخدار و غنچہ دہن
 ہکتے عارض و رخسار و عطر پیش بدن
 خراجِ مہر و مہ و نورِ بہرِ حیرتِ گہن
 گواہِ جذبِ محبت ہے دل کی ہر ٹھکن

سلام شوقِ بہارِ چین و نکارِ وطن
 ترے وجود سے قائم ہے رنگِ محفل گل
 بڑھایا صبح بہاراں نے اپنا دستِ طلب
 بچھ گئی جو کبھی تیری عنبریں زلفیں
 بہار کیا ہے مجھ پر تو رخ رنگیں
 وہ تانیاں کی رخ وہ جبینِ رخسندہ
 یہ کائنات ہے موعود تیرے جلووں سے
 دکھا چاند چمکتے ستارے ہیں شاہد

سلام کہتی ہیں اس قلب کی لوائیں تجھے
 سلام کہتی ہیں تو بہ شکن گھٹائیں تجھے
 سلام کہتی ہیں پردیس کی ہوائیں تجھے
 سلام کہتی ہیں پاستہ تر و فائیں تجھے

سلام کہتی ہیں شاعر کی التجائیں تجھے
 لنگاہِ مست و گرہ گیر کا کلوں کی تسم
 وطن سے دور کوئی اب بھی یاد کرتا ہے
 سلام کہتی ہے وابستگیِ عشقِ دوام

جو تیری بزم میں اک یار پاتے ہیں
تیرے لیے وہ دل و زندگی گناتے ہیں
بھلا سکے نہ بھلا میں گے ہم انہیں اسے دل
جو دردِ عشق عطا کر کے بھول جاتے ہیں
غبارِ رہ پہ گمان ہے نشانِ منزل کا
رہِ حیات پہ تقدیر آزماتے ہیں
کسی کے جلوؤں سے معمور ہے بہشتِ نظر
گزر گئے جو شب و روز یاد آتے ہیں

وہ دن کہ کھن خود آگاہ و خود شناس رہتا
تیرا شباب کبھی طالبِ سپاس نہ تھا
وہ دن کہ تیری جوانی حقی سادگی کی دلیل
وہ دن کہ وضعِ تکلف کا تجھ کو پاس نہ تھا
میری حیات سرت سے ہمکنار رہی
وہ دن کہ قلبِ شناسائے رنج و راس نہ تھا
وہ دن کہ دل پہ قحطی جب تیری چشمِ طہنہ دم
نسرودہ خاطر و غم دیدہ و اداس نہ تھا

سنا ہے پھر سے گلستاں میں تازگی آئی
بہار جاگ اٹھی سکے مست انگڑائی
پھر آگیا ہے کس طرح بے حجاب کوئی
سنا ہے پھر سے کوئی محوِ جلوہ آرائی
گھٹائیں جھوم کے اٹھیں ہوائیں بادِ فروش
نگاہِ مست سے چہا یہ کس نے چھلکانی
تکاشِ منزلِ مستی میں دل ابھی گم ہے
میرے نصیب میں اب بھی ہے ایلہ پائی

عزیز تر میں مجھے تلخیائی زانے کی
مہرتِ عزیز ہی حُسنِ یار تیرا وصال
خلوصِ زیست بھی ہے اک حقیقتِ لازم
ہیں بے مروتِ محبت ہی زندگی کا مال
دلِ حزن کو حواش نے جب بھی گھیر لیا
کسی کی یاد ابھر آئی یا کسی کا خیال
لگا ہوا شوق اٹھی جب بھی جانبِ رخِ دوست
نیا ٹھکانہ نیا روپ تھا نیا تھا جسمِ سال
وہ دن قریب ہے تقدیر مسکرائے گی
توڑاں نصیب میں ہیں بہار آسے گی

کبھی تو۔۔۔ اپنی محبت میں جیت جائے گی

احساسِ تنہائی

تہذیب کی جلوہ گاہوں پر پایا نہ سکونِ دل میں نے
طوفان کی طلب میں ٹھکرا دی آسودگئی ساحل میں نے
آوازِ شکستِ دل کو کبھی ڈھالا ہے نغمہٴ عشرت میں
خونِ گشتہٴ تنہا شاہ ہے چمکائی تیری محفل میں نے

زلفوں کے گھنیرے سائے میں آرامِ ملاپ بھر کیلئے
ردش تھے راہِ تمنا میں ہر گام پہ ارمانوں کے دینے
باہوں کا سہارا بھی چاہا، نظروں کا اشارہ بھی پایا
امرت بھی چھلکا میرے لیے کبھی میں نے نہر کے جام پیئے

یا سازِ طرب پر کائے ہیں پُرشوق ترانے اُلفت سے
یا جاگتی راتوں میں چھیڑے دلدوزِ فسانے فرقت کے
وہ پیار کی دُھن وہ دل کی لگن ڈھونڈتے ہیں بہاۓ قربت کے
معتوب ہوئے رسوا کبھی رہے سودا خِ اٹھائے تہمت کے

کبھی صحبتِ گل میں گزری ہے کبھی خار سے دامن اُٹھایا
کچھ یادیں ہیں کچھ ٹیس ہیں اُن بیتے دنوں کا سرمایہ
کہ غیروں نے اپنا سمجھا ہے کہ اپنے بن گئے بیگانے
اے عشقِ بتاں اے فکرِ جہاں کیا کھویا ہے میں نے کیا پایا؟

اس دُنیا کے ہنگاموں میں احساسِ تنہائی نہ رہتا
چاہا بھی نہ تھا، پوچھا بھی گیا پر دل نہ کسی نے اپنا یا

گناہِ مسرت

اُداسِ شام کے بھرے ہوئے دُھند لکوں ہیں
 حسین شہر کی راہوں سے جب گذرتا ہوں
 نظرِ فردِ تمدن کی جلوہ گاہوں پر
 سکونِ زیت کو پیہم تلاش کرتا ہوں

خمش نہر کی خوابیدہ سطح پر گاہے
 کوئی حسین سانفہ مچلنے لگتا ہے
 کہ جیسے ایک جواں غم نصیبِ شاہِ غر کا
 خیالِ گیت کے سانچے میں ڈھلنے لگتا ہے

کنارا آبِ حینوں کے آن گنت جھرمٹ
 میری نگاہوں کی آغوش پھیل جاتی ہے
 سمٹ سمٹ کے بکھرتے ہیں حسن کے جلوے
 دلِ لول کی تقدیر مکراتی ہے

سماج کی یہہ کمیں گاہ، حسن کے بازار
 مہکتے جسم، دکھتے ہوئے لب و رخسار
 کھلے کھلے سے بدن، دعوتِ نظارہ شوق
 ہجوم دیدہ وراں اور جوانیوں کی بہار

حیاتِ بخشِ محبت کا آسرا لے کر
 جواں رتوں کو حسیں تر بنا ہی لیتا ہوں
 طرب نواز شبستاں میں گنگنا تے ہوئے
 سرور و کیف کے نعمات گاہی لیتا ہوں

پناہ میں

مُد توں حُسن و محبت کے صنم خانوں میں
 نکھت و نور سے معمور شیشستانوں میں
 دل گزراے ہیں کبھی پیار کے ایوانوں میں
 دل کی تسکین کے لیے راحتِ جاں کی خاطر

دلِ مضطر نے سکون بخش لگا ہیں ڈھونڈیں
 لذت و کیفِ مسلسل کی بھی راہیں ڈھونڈیں
 دامنِ عیشِ فراواں میں پناہیں ڈھونڈیں
 یمن نے آسود گئی سوزِ نہاں کی خاطر

نہوں دل نے سیرِ شگاہ کو کبھی نہ بھی کیا
 لوجوانی نے تمناؤں کا ماتم بھی کیا
 کبھی اس عشقِ سراپا نے سرختم بھی کیا
 کسی شمشاد و قد و سروِ رواں کی خاطر

تیرے جلوؤں سے سجائی ہے کبھی خلوتِ دل
تیرے قدموں پہ لٹائی ہے کبھی دولتِ دل
یا بعنوانِ غم دہر کبھی حالتِ دل
یا حدیثِ دگر لاں لطفِ بیان کی خاطر

زندگی خود ہی تھیں ہے رُخِ پُر نورِ کیا
مظہرِ حُسن ہے ہر جلوہ فقط حوری کیا
ذرّہ ذرّہ ہے تجلی کا امیں طور ہی کیا
دیرِ کعبہ سے اُٹھے کوئے بُتاں کی خاطر

تجدید

رات جب بیت گئی صبح ہوئیا ہو گئی
اک تجلی اسی ظلمات سے پیدا ہو گئی

یہ دھندلے یہ اندھیرا یہ ہمہ گیر خلا
یہ گراں بار خموشی یہ پراسرار نضا
واہے آغوشِ فنا

حوسلے خاک بس آرزوئیں نوحہ کناں
تیرگی جیسے شہیدوں کی چٹاؤں کا دھواں
عبرتِ مرگ عیاں

دہراک بے در دیوار سازندان کہن
زندگی میتِ بے مایہ و بے گور و کفن
وحشتِ دشت و دمن

بھر بھی پندارِ جنوں کیشِ غناں گیر تو ہے
ایک ایقان ہی صورتِ گر تقدیر تو ہے
ذوقِ تدبیر تو ہے

جو تمنا کا پیامی ہے بہاروں کا نقیب
کارواں آکے لٹکا ہے اسی منزلِ کجِ قریب
منزلِ قربِ حبیب

رات جب بیت گئی صبح ہو ئیدا ہو گی
اک تجلی اسی ظلمات سے پیدا ہو گی

زہر خند

زندگی ہے ابھی منت کش اندوہ نہاں کتنی صدیوں کا یہ کچلا ہوا احساسِ زیاں
میرے ہونٹوں پہ ہنسی بن کے ابھر آیا ہے

میری آنکھوں نے وہ بے جان مناظر دیکھے نہ تصویری لطافت ہے نہ وہ جن جمال
جیسے اک طفل کا بے ربط سا الجھا ہوا خواب جیسے مکھلایا ہوا کسی قحبہ کا جمال
زندگی جن سے گریزاں ہے گریزاں ہی رہی روحِ مردہ دلِ صد چاکِ تمنّا یا مال
دلِ کونین کو لرزتا ہے زمین کا نپتی ہے جھانکتا ہے انہی آنکھوں سے جو صدیوں کا جلال
سوچتا ہوں غمِ ہستی کا ملاو کیا ہے وہی مایوس نگاہی وہی دیرینہ سوال
دلِ مجبور کی آہوں میں جو تاثیر نہیں شکوے بے سود ہیں فریاد اثر گیر نہیں
کا مرانی ہے اگر سعیِ مسلسل کا مال میں کہ خمیازہ کش شوئی تقدیر نہیں
میری پلکوں پہ دمکتے ہوئے تار کھوٹے ایک بیک جیسے مسرت کے وہ دھارے چھوٹے

ایک لمحے کو میرے دل نے سکون پایا ہے

معذرت

زندگی بھر میں تیرے گیت ہی گاتا رہتا
لیکن اس دور میں اندازِ محبت ہے جدا
آج ماحول کا معیارِ لطافت ہے جدا
کتنی بے تاب تمناؤں کی تسکین کے لیے
میں نے ہر آن محبت کے نئے دام بنائے
خارجہ غم سے کبھی اُلجھلے میرا دل
اور کبھی گلشنِ ہستی کے گل تازہ اچھے

لب و رخسار کے رنگین حکایات وہی

چاند تاروں کی خنک چھاؤں وہی رات وہی

جذبہ کو بہن و شوقِ فصول ساز وہی
غمِ انجام وہی لذتِ آغِ ساز وہی
دلِ عاشق میں جو پوشیدہ ہے اک رازِ اعلیٰ
اک اشک سے جو کہہ دے نگہِ ناتواں وہی

وہی زلفوں کی گھنی چھاؤں وہی لذتِ خواب

نشہِ حسنِ جواں سال وہی کیفِ شراب

کتنی صدیوں سے اس آذر کے صنمِ خائیں
نتِ نئے بُت ہیں کہ سمجھتے رہے سمجھتے ہی رہے
اشکِ آنکھوں میں اُڑا کے توبہ پر آئیں
سازِ بچتے رہے بچتے رہے سمجھتے ہی رہے
لحْنِ داؤد میں شیرینی و تاثیر نہیں

ذوقِ موسیٰ نہیں ارزائی، تنویر نہیں

زندگی بھر میں تیرے گیت ہی گاتا رہتا

لیکن اس دور میں اندازِ محبت ہے جدا
آج ماحول کا معیارِ لطافت ہے جدا

دمِ واپس

دیکھ چہرہ زندگی سے بھاگ آیا ہے کوئی
رات گہری خامشی کے خوف سے سہمی ہوئی
اک سکوت بے کراں ساری فضا مغموم ہے
قلبِ گیتی کے دھڑکنے کی صدا معدوم ہے
ایک سناٹا محیطِ وسعتِ ارض و سما
دامنِ شبِ ارتعاشِ صوت سے محروم ہے

اور مکس گاہوں میں دشمن منتظر
پرتو منزل نہ شمعِ رہ گزرا

تیرگی بھری ہے تاحِ نظر
بے بصر تاروں کی پھیکی روشنی

دشِ ہستی پر ہزیمتِ کوشِ ارمانوں کی لاش
پھر دلِ مجروح پر آ بھری ہے اک تازہ خراش
حوصلوں کی سہل انگاری شکستِ شوق ہے
پستِ عزیمت ہے سکونِ زندگی کی تلاش
یہ تھکے قدموں کی آہٹ یہ سکوتِ افزا خرم
کون لوٹا دور کی منزل سے بے نیل و مرام

ترانہ شباب

اُٹھ جاؤں سالی جہاں غفلت پرستی تابہ کئے
پاسبانِ عقلِ روانش ذوقِ مستی تابہ کئے
یونہی سر بستہ رہیں اسرارِ ہستی تابہ کئے
لے اسیرِ دہم یہ احساسِ پستی تابہ کئے

زندگی سنو لاگئی ہے پر تو آلام سے
نقشِ رنگین مٹ رہے ہیں گردشِ ایام سے
بوئے خوں آنے لگی ہے ہر چھلکتے جام سے
تو ابھی تک بے خبر ہے اپنی صبح و شام سے

مطلعِ عالم پہ خونیں بدلیاں چھانے لگیں
باغِ ہستی پر فضائیں آگ برسانے لگیں
کتنی نو آواز کلیاں ہیں کہ مڑھانے لگیں
اور ہوائیں موت کے نعमत دھرانے لگیں

زیست کے رنگیں ہونٹوں سے تبسم چھین کر
ذوقِ گویائی سے اندازِ تکلم چھین کر
نغمہ ہائے شوق کا ساحر ترنم چھین کر
مضطربِ مواج کا ذوقِ تکاظم چھین کر

موت نے محفلِ سجائی باہزاراں اہستہ
ارتقاء سے بربریت لے رہی ہے انتقام
میکدوں میں چل رہے ہیں زہر کے جام
کچھ دگرگوں سا نظر آتا ہے ہستی کا نظام

آ کہ پھر سے زندگی کی نیورکھیں نوجواں
قوم کے معمار ہیں ہم اور وطن کے پاسباں
ہاں یونہی بڑھتے رہیں گے کارواں درکارواں
کس سے رک سکتے ہیں طوفانِ خیز سیلابِ ازاں

دقت کے ہر آہنی سانچے میں ڈھل سکتے ہیں ہم
تیز اور تند آمدِ صیول کا رخ بدل سکتے ہیں ہم
اور کفنِ ہر دردِش میدان میں نکل سکتے ہیں ہم
ہر قدم پہ مٹھو کریں کھا کر سنبھل سکتے ہیں ہم

ہم سے تابندہ ہیں یہ برق و شرارِ زندگی
 ہم سے رخشندہ ہیں یہ نقش و نگارِ زندگی
 ہم سے پائیدہ ہیں یہ لیل و نہارِ زندگی
 ہم نے چھوڑے نغمہ ہائے تو بہارِ زندگی

نور کا یہ سیل اب ظلمات پر چھا جائے گا
 پرچم امن و اخوت دہریں لہرائے گا

کدم کی چھائیاں

گھنے پیروں کے سائے میں سسکتی زندگی کی کراہیں سن رہا ہوں میں
 جوانی کے خزاں زائیدہ گلشن سے ابھی پامال کلیاں چن رہا ہوں میں
 دلِ ناداں ہر میت کوشِ ارمانوں کے رنگین دام اب تک بُن رہا ہوں میں

وہی راتیں فلک کا چار سو بکھرا ہوا زور کار و رنگارنگ آئینہ بھی
 کبھی خنکی کبھی گرمی کبھی ہنستے سناتے اور کبھی اڑتے سے بادل بھی
 یہی چھنکے تھے دل کے ترجمان بن کر کئی متوالی رادھاؤں کے پائل بھی

یہیں گونجے مدھر نغمے یہیں ٹوٹے حسیں سپنے زمانہ بیت جاتا ہے
 نقیبِ وقت مٹتی آرزوؤں لٹتے ارمانوں پر اکثر مسکراتا ہے
 مگر ان آنڈھیروں زو پہ اب تک ایک نامعلوم شعلہ جگمگاتا ہے

چاہت کا صلہ

میں نے کب اپنی وفاؤں کا صلہ چاہا ہے
میں نے کب تیرے تغافل کی شکایت کی ہے
دل کو بے مہرئی دوراں کا گلہ بھی تو نہیں!
حوصلہ پا کے تیرے پیار کی جسارت کی ہے

ہم وہ دیوانے کہ زہر اب بھی ہنس ہنس کے پیا
ہم وہ متولے کہ سو کی پہ ترانے گاتے
خونِ فریاد سے رنگین ہے عنوانِ دنا
زیست کی ایسی لگن موت بھی شرما جائے

بچھٹے فانٹوں کو گُلِ دغِ غیہ سنبھالے
آتشِ ظلم کو گُلزار بنایا ہم نے
جس جگہ ہم نے جبین رکھ دی وہی بُت خانہ
دلِ ہر سنگ میں احساسِ جگایا ہم نے

یہ بہاریں، یہ بہاروں کی لطافت یہ چھین
میرے تخیل کی جنت میرے خوابوں کا وطن
شمعِ رورو کے کلی ہنس کے سُنائی ہی رہی
ذکر ہے چاکِ گریبِ انوں کا گلشنِ گلشن!

وہ تیرے پیار کے دو چار گریزاں لمحے
حاصلِ عمر رواں دل نے تجھیں سمجھا سکتا
اب نہ وہ ساعت یکجائی ہے نہ فرصتِ شوق
تیرا اقرارِ وفا خواب تھا بیداری کا

کاش میں تیرے تیرے پیار کے قابل ہوتا
یہی بے مائیگی، تو بے عیشِ ناکامی ہے
تیرے ایوانِ امارت میں بہاروں کا چلن
میرے غم خانے میں دیرانی سی ویرانی ہے

زر کی میزان میں ٹلتی ہے جوانی تیری !
غنجِ غنچہ کی زباں پر ہے کہانی تیری
جگمگاتے ہوئے محلوں کی ضیائے تجھ سے ہے
یاں فقط داغِ جذباتی ہے نشانی تیری

میری چاہت ہی صلہ ہے میرا سرمایہ ہے
تجھ کو کھویا تو غمِ دہر کو اپنا یا ہے

اعتراف

ہاں فقط جرمِ محبت کا خطا وار ہوں میں

خاک کے ذرے کو خورشیدِ درخشاں سمجھا

مورِ بے مایہ کو ہم دوشِ سلیمان سمجھا

تیرے جلوے کو حریفِ مہ کنعاں سمجھا

تیرے اقرار کو تمہیدِ بہاراں سمجھا

میں نے سمجھا تھا کہ تابندہ سحر جاگ اٹھی

نور ہی نور ہے اب ظلمتِ شب ختم ہوئی

دہی پُر حولِ نضائیں تھیں دہی دشتِ دامن

تیرگی اور مہ کے نکلی تھی بہاروں کا کفن

دھیرِ شہرت تھے تمناؤں کے اُجڑے مدفن

دل کو درپیش تھا اک مرہا دار و رسن

ناچتے شعلوں کی زد میں تھا گلستانِ حیات

حسرتِ مرگ نمایاں تھی بعنوانِ حیات

وقت نے بڑھ کے الٹ دی رخِ زیبا کی نقاب
اور پھر اٹھ گئے مشتاق نگاہوں کے حجاب
ذہن و ادراک پہ طاری تھے تمناؤں کے خواب
دلِ تشنہ کو ہر اک سمت نظر آئے سراب
ہنس کے پھر نہر بھر اجام اُٹھایا میں نے
دہر کو نغمہٗ منصور سنایا میں نے

بے وفائی کا کلمہ کر کے بھلا کیا لیں گے
دلِ مجروح کو سو ڈھنگ سے سمجھالیں گے
جو تیری بزم کو ٹھکرا کے چلے آئے ہیں
اب غمِ زیتِ غمِ دہر کو اپنا لیں گے
عشق کہتا ہے تمناؤں کا ماتم نہ کرو
شکرِ آیام کرو اور کوئی غم نہ کرو

اے خوشا جذبِ وفا آج بھی سرشار ہوں میں
ہاں فقط جرمِ محبت کا خطا دار ہوں میں

لذتِ رفت

موسمِ گلِ غنچہ ہاے نودمیدہ کی بہار
 کتنی نو آغاز کلیوں کی جوانی کی بہار کا نگار
 نشہ کیف و طرب، شوقِ فراں کا بخار
 یہ مہکتا حسنِ گلشن، یہ دہکتے لالہ زار
 رقص کر لے نوجوانی یخود و دیوانہ وار
 آج ہر دم دوست ہے جلوہ گیر برق و شرار

رُتِ سہانی، مہرباں ساقی، شرابِ لالہ گوں
 سحر اگیں حسن اور محذورِ نظرِ دل کا فسوں
 شوق کی فتنہ طرازی عشق و الفت کا جنوں
 مانعِ عیش و طرب ہے آج بھی سوزِ دروں

فکرِ مستقبلِ غمِ ماضی شکستوں کا خیال
 ہر قدم پر ایک الجھنِ زندگانی ہے وبال

دھیرے دھیرے مٹ گئے ہنگامہ ہائے ہست بود
 اور بے رونق نظر آنے لگی بزمِ شہرود
 عیش کا نام و نشان ہے نہ مسرت کا وجود
 بزمِ ماتم بن گئی اب محفلِ رقص و سرود
 زندگی کی وسعتوں پر چھپا گئے غمگین راگ
 لٹ رہا ہے آج دوشیزہ انگوں کا سہاگ

رقص کرتی آرہی تھی عیش کی پہلی کمر
 لے کے انگریزانی ابھی جاگی تھی کیلیوں کی پھین
 ایک لمحہ کو مہک اُٹھے تھے یہ دشت و دمن
 سکارا ہوتا نوجوانی کا رسیلا با نچن
 عیش کے دو چار لمحے یوں جھلک دکھلا گئے
 برق چمکی نور بکھرا پھر دھندلے چھا گئے

عرفان

مُدّتیں بیت گئیں آج بھی زندہ ہے یہ دل
ہائے وہ خلوتِ رنگیں وہ کسی کی محفل

آرزو صبر طلب، عرفی تمنا مشکل
کشتی دل سے ابھی دور ہے موجِ ساحل

کبھی ڈوبے کبھی ابھرے یہی مقسوم رہا
نگہ لطفِ زمانہ سے بھی محروم رہا

اُن یہ سیمائے تمنا کہ کسی کی نہ ہوتی
خار بن کر ہی کھٹکتی رہی پھولی نہ پھیلی

اور موہوم سی اک آس جتنی سوٹنے لگی
ہم نے ٹھکرا دیا، دنیا بھی ہمیں بھول گئی

حقیقتے تیز ہوئے، طعنتز کے زشتہ بھی چلے
غیر تو غیر ہی تھے اپنے بھی اپنے نہ ہونے

تہمتِ صبر تو تو میں جواں سالی ہے
جبرِ سہہ لینے ہیں احساس کی پامالی ہے

شکوہ دوست ہے ناشکری فیضانِ وفا
 بے بسی بھی تو ہے محرومیِ عرفانِ وفا
 حوصلہ پست نہ کر دقت کی رفتار تو دیکھ
 اے نگہ دار ذرا آہنی دیوار تو دیکھ
 چاند کی لکاش اندھیروں کے حوالے کردی
 زندگی تو نے کُٹیروں کے حوالے کردی
 زندگانی تری ہو جائے اگر پایہ رکاب
 ابھی اٹھے رُخِ دنیا کی گند لوشِ نقاب
 جگمگائے گی کوئی دم میں ہماری محفل
 ہاں غنیمت ہے یہی آج بھی زندہ ہے یہ دل

اجتناب

جلا کے مشعلِ امید و آرزو دل میں
میں کس خلوص سے آیا تھا تیری محفل میں

نظرِ نظر میں لئے زندگی کے نذرانے
نفسِ نفس نے سناے وفا کے افسانے
و فورِ شوق نئے بے تابِ امتحانے
قدمِ قدیم پہ سجائے نئے صلہ خمانے

کلی کلی کو سنوارا نکھر گیا گلشن
شجرِ شجر کو جھلانے لگی ہوائِ چمن
بہشتِ ارضِ نظر آ رہے تھے دشتِ دامن
ہنس رہا تھا بہاروں کا شبنمی دامن

جہاں حُسن کو اہلِ وفا سنوار گئے
ترا جمال ترے قدرداں نکھار گئے
متاعِ قلب و نظر تو نثار کر ہی چکے
ترے اشلے پہ ہم نقدِ جاں بھی ہار گئے

اے جذب و حوصلہ شوق تیری عمر دراز
ترے وجود سے قائم تھا رنگِ محفلِ ناز
قدم قدم پہ ٹٹائے ہیں سجدہ ہائے نیاز
تھا بحرِ عشق بصدِ شوق زمرہ پر واز

ہدائے قلب، نظر کا پیام لایا تھا
میں آرزوئے دلِ تشنہ کام لایا تھا
سرورِ عشق، محبت کا حیا م لایا تھا
نویذرِ زیست بصدِ اہتمام لایا تھا

مری حیات کو لوٹا کسے تیرگی اپنی !
سمیٹ لی ترے جلوؤں نے روشنی اپنی

خوابِ جوانی

جب کبھی رات کو ڈستی ہوئی تہنائی میں
 ایک گم گشتہ فسانہ مجھے یاد آتا ہے
 ابر کی اوٹ سے مہتاب ایشائے کر کے
 پئے تجریدِ تمنا مجھے اکساتا ہے
 کبھی سونوائی ہوئی شب کی جوانی بن کر
 نورِ مہتاب فضاؤں میں بکھر جاتا ہے
 کبھی نخیل کی صورت میں ہو سید اہو کر
 حسنِ محبوب میری فکر پہ چھا جاتا ہے
 جگمگا اٹھتا ہے تاریک شبستانِ الم
 اور کوئی پر تو رنگین سا لہراتا ہے
 چھپر دیتا ہے کوئی بربطِ انفاس کے تار
 دل میں اک جذبہٴ موسوم ہو پاتا ہے
 جیسے اب میری تمنا پہ نکھار آئے گا
 جیسے اب جاگ اُٹھے گی یہ سُردہ تقدیر
 ابھی اترے گا شبِ تار کا ملبوس کہن
 جیسے اب پھوٹنے والی ہو سحر کی تزئیر
 جلوہ فرما ہے نئے ڈھنگ سے لیائے خیال
 جیسے اب خوابِ جوانی ہو رہیں تعبیر
 رنگ لائے گی دلی زار کی دیرینہ اُمنگ
 جیسے اب ختم ہی ہونے کو ہے جذبات کی جنگ

جُدائی قہر آگیں نگہ دہر گوارا ہے تجھے
طنز ہستی کی بھلاتا بکھاں لائے گی

بیگمراں زلیست کی ڈستی ہوئی ویرانی میں
قہقہہ جبر کا گونجے تو دھل جائے گی
ابھی ساحل کے تموج سے پریشاں ہے تو
کشتی زلیست جو طوفاں سے ٹکرائے گی

نوجوانی تیری معصومی فطرت کے سبب
کتنے ناکردہ گناہوں کی سزا پائے گی
میری وارفتگی شوق کی توہین نہ کر
ضبط اک شرط وفا ہے تجھے معلوم نہیں

عہد رفتہ کا تصور میرا سرمایہ ہے
دل بھی مالوس نہیں زلیست بھی مغموم نہیں
ہاں غم دہر ابھی سلسلہ جنباں ہے مگر
زندگی تیرے تلطف سے تو محروم نہیں

نہ وفاؤں کی ہمت نہ اُمتوں کی ہمت
یہ شرار بار نکاہیں میرا مقصوم نہیں
اپنی آنکھوں کو گہر بار نہ کر میرے لیے
حُسن اور خاک بسر میرے لیے؟

ایک شب

میں جہاں کی قبر آلودہ لنگاہوں کا نشانہ تو نہیں
زندگی منت پذیر اتفاقاتِ زمانہ تو نہیں
یہ پرستش تیری الفت کا بہانہ تو نہیں
یہ بنا احساس تمہیدِ فسانہ تو نہیں
اک خلوصِ دل بہانہ تو نہیں

آسمان پر رقص فرماہیں تارے باہرِ اراں اہتمام
لے رہا ہوں اپنی قسمت سے ضررہ زندگی کا انتقام
یہ شایبِ قلنہ سامان اور مہ وینا جام
آج کچھ مدھم ہے رفتارِ وقت تیز کام
ڈھل چکی ہے ایشیائی گرم شام

بہ خند نورس آرزوئیں ہیں دلِ شاعر کی ساری کائنات
کون جانے شوق کے ہاتھوں ہی ہو جائے تعمیرِ حیات
ہمنشیں منت چھیر شامِ غم کی تازہ وارفت
یہ طرب انگیز لمحے یہ حسینِ پیکرِ کیفِ رات

ایک کافر کی لنگاہِ التفات

جانتا ہوں ہاں اسی منزل پہ ملتے ہیں حدودِ کفر و دین
شوق ہے پھر جادہ بہا عشق کی مسدودِ دین کھل گئیں
ماورائے حدِ اسکانات تو کچھ بھی نہیں
اپنے قدموں پر جھکا لوں آج گردوں کی جبین
آفریں اے ذوقِ مستی آفریں

پائمالی

جب کسی عارضِ گلگوں کی شفق پھولتی ہے
آتشِ جذبہٴ الفت کو ہوا دیتی ہے
جب سرشاخ کوئی تازہ کلی جھولتی ہے
اک بدلتے ہوئے موسم کا پتہ دیتی ہے

عارضوں کی یہ تابانی و شادابی لب
نوشگفتہٴ سی رخسار پہی روئے نگار
یہ بدلتا ہوا موسم یہی آغزار بہار
یہی سجدہ گہ دل جلوہ گہ برق و شرار

اسی موسم میں سرشاخ کوئی غنچہ نہ
دستِ گلچیں کی عنایت سے بھی محروم رہا
صیدِ ناقدِ شناسانِ حریمِ گلشن !
حسنِ زائیدہ لطافت بھی محروم رہا

شبِ نیمِ نوحہ گرو بکبل فریاد کہاں
چشمِ نرگس ہے بہ حسرتِ نگرانِ سوئے جہاں

اظہار

میں نے چاہا تھا کہ اظہارِ محبت نہ کروں

میرے نگینِ تصور کے تراشے ہوئے بُت
یونہی پوشیدہ رہیں دل کے صنم خانوں میں
اک ذرا روجِ غم آلودہ سبک بار تو ہو
نکھت و نور سے معمور شبستانوں میں
میری وارفتگی شوق کا حاصل ہے یہی
اپنے ناکردہ گناہوں پہ پشیمانیوں میں
زندگی ہے ابھی نادانقِ آدابِ وفا
اور اُلفت کی نگاہوں سے گریزاں ہوں میں
تھر تھرتھرتے ہوئے ہونٹوں پہ لرزتا نغمہ
ترجمانِ غم و اندوہِ جوانی تو نہیں !
جانے کیا کہہ دیا نظروں نے سرِ محفلِ ناز
سوچتا ہوں کہ محبت کی کہانی تو نہیں

میں نے چاہا تھا کہ اظہارِ محبت نہ کروں

شام

سُنبہری شام جاگ اُٹھی اُبتی سرخیاں لئے
جلو میں چاند تاروں کا خموش کارواں لئے
سکوتِ بیگراں لئے

دُھند لکے آسماں پر بکھر بکھر کے چھائے گئے
یہ ظلمتوں کی یورشیں شام کے جھلملا گئے
دیئے بھی ٹمٹما گئے

اُمڈتی تیرگی کے ساتھ یاس جلوہ دار ہے
فردہ راگ چھڑ گئے فضا بھی سوگوار ہے
حیات بے قرار ہے

ہوا کی نرم سسکیاں سرورِ سرخوشی نہیں
کہ نعمت بہار پر یہ رقصِ بے خودی نہیں
پیامِ زندگی نہیں

دلِ وجود کے وہ داولے بھی ماند پڑ گئے
حیات کے صنم کدے بھی ایک بیک اُتر گئے

حُسنِ حیات

برقِ جلوہ جو کبھی چھو گئی سطحِ ادراک تا بہ امکان نگاہوں نے تعاقب بھی کیا
 اٹھ بھی جاتی ہے نظر گاہ بہ اندازِ سوال میری گستاخ جوانی نے مخاطب بھی کیا
 نظریاں کھائیں تو تابندہ شرارے چھوٹے
 تیرگی آہ بلب چرخ کے تارے ٹوٹے

زندگی قص گناہ ہے نہ ہے فیضانِ وفا کتنی ناپید تمنا میں مٹو پانے لیگیں
 بہرہ یاب نگہ لطف رہا ذوقِ جنوں آرزوئیں دلِ مایوس کو بہلانے لیگیں
 وسعتِ دہر جو خلوت میں سمٹ آئی تھی
 نوجوانی درستی سے پلٹ آئی کھتی!

اسی قربت سے مجھے بُعد کا احساس ہوا ایک لمحے کو کوئی دل کے پھٹ جاتا ہے
 یہ گلستانِ تمنا یہ شبستانِ وفا سو جتن کر کے سجاؤ پہ اُجڑ جاتا ہے
 آج ہر زندہ حقیقت ہوئی بھولا ہوا خواب
 دی یا کس نگاہی دی محرومِ شباب

اپنی ناکامی پہ احساسِ ندامت بھی نہیں اس کا غم ہے کہ غم دہر کو اپنا نہ سکا
 ہر ہزیمیت میں ہے اک تازہ بصیر لیکن اپنی بے سود دفاؤں کا صلہ پانہ سکا
 زیت عنوانِ مسرت بھی نہیں غم بھی نہیں
 بزمِ عشرت نہیں دنیا، صفِ ماتم بھی نہیں

زیت کے طور ہی کچھ اور نظر آتے ہیں آج احساس بھی جاگ اٹھا بہ اندازِ جلال
 پستیوں سے ابھر آئے گا ضمیرِ آدم نوجوانی نظر آئے گی سرِ اوج کمال
 زندگی کافی کے یہ اقدار بدل جائیں گے
 یہی جذبات نئے سانچوں میں ڈھل جائیں گے

حسن ہی حسن ہے جس سمت نظر دوڑ گئی کوئی محدود دنیا ہی سے کنارا کر لے
 راحت کون و مکاں بڑھ کے قدم چومتی شرطِ اول ہے کہ ہر رنج گوارا کر لے
 آج صدیوں کی نجات سے ملو شہ نگر
 حاصلِ جہد ہے پاکیزگیِ قلب و نظر

سرا کی رات

منجھڑ بے نور، افسردہ نجوم
زرد رو مہتاب کی پھیکی ہنسی
نیند میں ڈوبی ہوئی ہے کائنات
بادلوں کے ملجے سے کچھ نقاب
ایک درشیزہ کارنگین اجتناب
جلوہ فرما چار سولیلائے خواب

رینگتی ہیں ہر طرف تاریکیاں
سرد برقانی ہوا کی سسکیاں !
زمِ ردِ دریا کا مدھم ارتعاش
جیسے اک مفلس کی آہِ دلخراش
دورِ آفت کے پاس کچھ کوہِ جبیل
چند پراسرار بھوتوں کے محل
یہ سکوت شب کے درد انگیز راگ
نوجواں خاتون کا لپٹا سہاگ
آہِ وزاریِ فوحہ بے چارگی
چہرہ گیتی پہ عکسِ بیوگی
کس قدر سہمی ہوئی ہے زندگی
اُف یہ سرما، رہزنِ آسودگی

آج تاحدِ نظر ہے تیرگی

شبابِ نو

مہکتا جسم، بہکتی نظر، لہکتی چال
 شباب کے یہی دن تو ہیں حاصلِ سن سال
 ابھی ابھی تو جوانی نے لی ہے انگڑائی
 ابھی تو جرأتِ آفا زہے نہ فکرِ مال
 ابھی نظر کو کوئی جبتو نہ دل میں خلش
 کسی کی یاد ہے نہ انتظار ہے نہ خیال
 ابھی کھلی ہی نہیں آرزو کی کوئی سکی
 ابھی چھپڑی ہی نہیں داستانِ ہجر وصال
 محیطِ ارض و سما، بے نیازِ قیدِ زماں
 ابھی تو ایک سے ہیں دوش و حالِ استقبال
 شگفتِ گل کا یہ موسم یہ رنگِ فصل بہار
 ترے شباب کا پر تو ہے تیرا عکسِ جمال
 اس انجمن میں نہ آئے خزاں نصیبِ کئی
 ابھی نہ چھپڑے کوئی قصہ دلِ پامال

”میکدہ“

شہر کے بارونق گوشے میں اک بے رنگت ویلرز
عظمت نے آثار لئے اک اُجڑا ہوا سا کا شانہ

جس کے پردہ لوار و در پر ایسی ادا سی چھائی ہے
جیسے اُس اُجڑے گلشن پر سجلی کبھی لہرائی ہے

آتے جاتوں کا یہ ڈیرا، ہر پتختی کا رین بسیرا
رنگ بدلتی محفل ہے ہر فرد یہاں ہر جائی ہے

شام ڈھلے تھک ہارے لوٹے دل میں غم کا راز چھپائے
اپنے کندھوں پر اپنے ہی ارمانوں کی لاش اٹھائے

سو کھے ہونٹ پریشاں چہرے آنکھوں میں اک ڈیرانی
وہ جو ہر مٹی جون کی قیمت دنیا نے نہ پہچانی

جیون جیسے ایک سزا ہے بھگت رہی ہنس نہ س کے
مہول چمکے ہیں دوستی یاری رشتے تھلے آپس کے

ہستی کا بھرم رکھنے کیلئے کچھ ہنستے ہیں کچھ بولتے ہیں
اُڑنے کی تمنا دل میں ہے کمزور پرزوں کو تو لے لیتے ہیں

پلکوں پر لہرتے ہیں کچھ بیتے دنوں کے افسانے
 ڈھلتی جوانی ہمت ہاری پر دل ہار نہیں مانے
 آؤ بھلا دیں دنیا کا غم جو ہو دیکھا جاے گا
 آج نہیں تو کل یہ زمانہ راہ پہ آخر آے گا
 لودہ دیکھو رات کی رنگت کسی نکہری نکہری ہے
 جیسے کسی کی بل کھائی لٹ پیشانی پر کجھری ہے
 نور کی کرنیں چھن کے برس ہواں دلوں کو گرائیں
 آؤ چھڑیں پیارے نغمے مل کے گائیں جامِ ٹھائیں
 ساغر کھنکے جاگ اُٹھی ہے پائل کی جھنکار کی یاد
 بھولے بسر سے پیار کی یاد کھوئے ہوئے دلدار کی یاد
 اور خوابوں کی اک شہزادی بن کے حقیقت سائے
 بادۂ سُرخ کا نشہ رات کا جادو گہرا ہوتا ہے
 ہاں یہ دنیا اب بھی جیسے ہے ہنستے چہرے پھیلی باہیں
 دیں گی پناہیں مست نگاہیں مل جائیں گی پیار کی لہریں
 بچھلے دکھوں کو بھول بھی جادو اگلے دنوں کی آسناؤ
 کل کی آسادل میں بساے غم کے مار سو بھی جادو

آگ کے پھول

ستاروں کو پھولوں ؟
فلک پر دھکتے ہوئے ماہ پارے
ستارے

ستارے نہیں ہیں
تیرے شمع جلوں کی رعنائیاں
تیرے سخن کی شعلہ سامانیاں ہیں
دکھتے شرارے

شراردں کو پھولوں ؟
سرطور لہرائی برق تجلی
برہم کا عزم دشانِ کلیمی
منسا ہو گئی ہے

دلِ ناز پرورد کی خود آفرینی
وہی بے یقینی

نہ فودقِ تماشا نہ ثوقِ تکلم
شبابِ فسون سانہ کا اشتیاقِ تامل
شہیدِ بستم

تبسم تمنا کا پیغامبر ہے
 نقیب بہاراں
 فردغِ لطافتِ پیامِ مسرت ہے روحِ گلستاں
 نئی تمازگی ہے
 خیالوں کی دنیا سنورنے لگی ہے
 یہی منظرِ حسدِ انگریزی غنچگی ہے
 یہی ادبِ بختِ درخشاں ہے
 یہی روحِ تابندگی ہے
 یہی زندگی ہے
 تنگ و دوسے اُکتا گئی ہے
 براہیم کا عزم و شانِ کلیمی
 فنا ہو گئی ہے
 جوانی کو فک و تلاشِ رہ امن و آسودگی ہے
 بعدِ شوقِ پھر مائلِ آذری ہے
 دہی ایک دیرِ مینہِ ذوقِ صنمِ آشنائی
 دہی بُتِ گری ہے
 دلِ ناز پر در کی خود آفرینی
 دہی بے یقینی

رومان

زندگی اک خواب ہے افسانہ ہے
 اک مہم گیت کی جھنکار ہی جھنکار ہے
 گم خلوصِ نرمِ خو گاہے اُپی تواری ہے
 گم سکوتِ شامِ غم
 گم سرودِ صبحِ آغا زہار
 گاہے مدہمِ سرد بے آواز راگ
 جیسے کہاروں میں گونج اُٹھے کوئی ہلکی سی آہ
 اک پتلی مسکراہٹ سی لبوں پر کھیل جاے
 یک بیک آنکھوں کے جھرنے سوکھ جائیں
 زندگی کا تیز رو دھارا ہے
 غم کی ان سنگیں چٹانوں سے اُلجھتا کھیلتا
 دل کی گہرائی میں کتنی آرزوئیں دفن ہیں
 حافظہ کی دستوں پہ چھا گئی
 ایک پھسکی بے بضاعت داستاں

جو کبھی تھی مرکزِ قلب و نظر
 وہ مری جانِ حیات
 محورِ کل کائنات
 عشق پائندہ نہیں ہے غم بھی پائندہ نہیں
 آج اک دومان بھی زندہ نہیں
 جو شش و شوقِ جوانی اور ہے
 اقللئے زندگانی اور ہے
 زندگی کا تیز رو دھارا ہے
 غم کی ان سنگیں چٹانوں سے اُلجھتا کھیلتا

جان بہار

وہ مسکراتے مناظر وہ جانِ ندنی راتیں
وہ فتنہ خیز جوانی وہ عشق کی گھاتیں
فضائیں گم ہوئی جاتی تھیں راز کی باتیں

نگل مُراد کو پشمر دگی سے کام نہ تھا
خوشی کے واسطے ماتم کا التزام نہ تھا
حیات قید کا پابند لول کا نام نہ تھا

وہی حسین مناظر ہیں آبشار وہی
وہی سہانی فضا ہیں میں لالہ زار وہی
وہی گلوں کا تبسم ہے اور بہار وہی

مگر وہ بریڈ دل ہی نہیں وہ گیت نہیں
جنا شعار زمانے کی پریت ریت نہیں
جہاں میں کوئی بھی لے جاں کسی کامیت نہیں

تجھے سماج نے جانِ بہار چھین لیا
کہ میرے دل کا سکون و قرار چھین لیا

جامعہ

جامعہ کے یہ عمارات حسیں
 صنعتِ تعمیر کے مسحور کن نقش و نگار
 حسنِ کاری کے نمونے ذوق کے آئینہ دار
 یہ محن یہ لالہ زار

علم و حکمت کے صنم خانے ہیں یہ
 عقل مصروف پرستش رقص فرما ہے شباب
 زندگی ہے سمر بسر رنگین خواب
 بت پرستی، بت فروش، بت گری
 ہر نظر اظہار شانِ آذری
 زندگانی کے نہاں خانوں میں ہم مسرور ہیں
 فہم و دانش کے نشہ میں چور ہیں
 ب خبر ہیں روحِ مغرب سا گردشِ ایام سے
 اپنی صبح و شام سے
 علم کی جولا نگاہوں سے پرے
 خوابِ آلودہ نگاہوں سے پرے

زندگی کی چھاؤں میں
 دام لا تعداد ہیں بکھرے ہوئے
 کتنے خونیں نقش ہیں ابھرے ہوئے
 میرے ذہن مضحل ہیں رینگتے ہیں کچھ حنیال
 ایک طوفاں ایک سیلابِ عظیم
 دل کے کاشانے میں روشن ہیں آئینوں کے چراغ
 جاگ اُٹھی نوجوانی خواب سے
 مبتلائے کشمکش ہے زندگی
 چار سو پھیلے ہوئے تہذیب کے رنگین جال
 اور مجھ کو اپنے ارمانوں کی حرمت کا حنیال
 جامعہ کی ان فضاؤں میں مجھے
 اضطرابِ روح کی آسودگی ملتی نہیں
 سچ تو یہ ہے زندگی ملتی نہیں



مردمِ ثنوں پر بھی رہے سایہ نگینِ مثلِ شجر
 ہم نے پتھر کھا کے بھی پھل پھول برسا دیں

آگہی

شباب اپنی جلوں پہاڑ تازہ لئے
خردشکار تدبیر کی ظلمتوں سے پہلے
جنوں نواز عزائم کا آسرا لے کر
رواں دواں ہے ابھی

شعور جاگ اٹھا حوصلے سنور نے لگے
نشیبِ مگرہی رجہل سے آُبھر نے لگے
لنگارِ زیست ابھی اس قدر حسین بھی نہیں
نہ تازگی نہ لطافت نہ جلوہ رنگیں
ابھی ابھی تو نمو پارا ہے ذوقِ یقین
یقین - جہدِ مسلسل کا پیشِ خمیہ ہے
خود آگہی ہے یہی

خود آگہی ہے پیامِ بہارِ ذوقِ نمو
فرزِ لالہ و گل ہے کہ ادجِ بخت ہزار
شباب اپنی جلوں پہاڑ تازہ لئے
رواں دواں ہے ابھی

حیاتِ وقت کی پرتپ شہراہوں کو
عمل کے جلوہ رنگیں سے جگمگا دے گی

آخرِ شب

میکے کے ضیا فروز دیئے
 ٹمٹمانے لگے سسکنے لگے
 گیت تھک تھک کے سو گئے آخر
 ساز خاموش مطربہ مدہوش
 یک بیک جھگئے اُداس دیئے
 نور کی جھلملاتی کرنوں کو
 ظلمتِ شب نے جذب کر ہی لیا
 اک سہارا محقا وہ بھی ٹوٹ گیا
 رات کی شبہی فضاؤں میں
 پھر ادا سی بکھر گئی جیسے
 ایک ظلمتِ اساس مایوسی
 یادِ عشرت خیالِ عیش و طرب
 وہ مسرت نواز سرمایہ
 ایک گہری تھکن نے چھین لیا
 نیند سپنوں کے جالِ بستی ہے

عزمِ سفر

زندگی غفلتِ سرشار سے جاگی ہے ابھی
 سوچتا ہوں کہ جوانی کہیں گمراہ نہ ہو
 دل کے ہر گوشے میں پابستہ امنگوں کا ہجوم
 دھیرے دھیرے یونہی بڑھتا ہی چلا جاتا ہے
 جوشِ شوق نہیں طاقتِ پرواز نہیں
 ظلمتیں ہیں کہ بکھرتی ہی رہیں
 اور دھندلا گئی تاریک ہوئی راہ گزر
 دلِ نادان کے فرسودہ ذہنہ اوام
 جیسے پُر ہول اندھیرے میں ہو بھوتوں کا کوئی سیلِ عظیم
 عقل اور ہوش کے زندان سے نکل بھاگے ہیں
 ٹوٹ جائے گا یہ راہوں کا پُراسرار سکوت
 گونج اٹھیں گی فضاؤں میں بھیاں تک چنچیں
 یہیں رُک جائے گا رہوارِ حیات
 مشعلیں لاؤ فضاؤں کو منور کر دو
 جن کی کرنوں سے اُتر جائے قباے ظلمت
 جسمِ سمٹے ہوئے لیٹی ہیں یہ عزایاں راہیں
 اک پشیمان و گنہگارِ حسینہ کی طرح
 خشکیوں نظروں سے دیدیں مجھے اذنیِ رخصت
 سُست روکا رواں کچھ تیز کرو
 مجھ کو بڑھ کر ابھی منزل کے قدم لینا ہے
 اور منزل بھی کوئی دور نہیں دور نہیں —

ادھورے گیت

بانسری کی لے میں کتنے گیت ڈھلتے ہی رہے

نت نئے رومال مچلتے ہی رہے

آسماں سے بارشِ انوار ہو

بہہ رہی ہو چاندنی

پھیل جائیں چاند کی کرنوں کے جال

رقص کرتے ہوں مناظرِ کارہے ہوں آبشار

گوئج اٹھا ہونٹاؤں میں کوئی نوخیز راگ

ایک لامحدود نغمہ اک مسلسل گیت اک جھنکار ہو

جیسے پائل کی صدا

سطحِ دریا پر اُچھلتی کودتی لہروں کا رقص

تیز ہونہضِ حیات

کارہی ہو کائنات

رقص کرتی ہوئی جوانی کی بہار

وقت کے یہ کیفِ زالمحے نہ گن

میں نے صدیوں کو سمجھا اور کر دیا —

ان حسین لمحات پر

انبساط و کیف سے معمور ہیں
 اک سرودِ غیر نانی، ایک لطفِ جاوداں
 تشنگی روحِ آسودہ نہیں
 شوق کا یہ تیج و تاب
 نوجوانی ہے سراپا اضطراب
 زندگانی ہے مٹا کا سراب
 ایک نامعلوم غم
 ایک نغمہ اک فسانہ ایک غمِ انجام یاس
 اُن گنت صدیوں سے اب تک تشنہ تکمیل ہے

اضامینہ

میرے احساس کے تاروں کو نہ چھیڑ
 اُن سُننے گیت ہیں خوابیدہ پس پردہ ساز
 روح فرسا اثرِ سوز و گداز
 یاس آمیز کوئی نغمہ راز
 لذتِ غم کی جُلوں خیز فراوانی ہے
 فکر وادبار کی ارزانی سی ارزانی ہے
 اور دھکتی ہوئی جذبات کی اک آگ ہی آگ
 ہاں فقط راگ ہی راگ
 پھر کوئی شعلہ لڑاں اُٹھے
 آتشیں گیتِ فضاؤں میں بکھر جائے کہیں
 یامہ دسال کی پُر بول خلاؤں میں بکھر جائے کہیں
 متمتاتے لگیں رخسارِ حیات
 تیری آنکھوں سے جو صدیوں کی تھکن جھانکتی ہے
 ایک بے روح جلن جھانکتی ہے
 غم ہستی کا مداوا ابھی معلوم نہیں
 لڑکھڑائیں گے، لرز جائیں گے، گر جائیں گے
 یہ کہن سالِ ضم سر بسجود
 غیر آسودہ امنگوں کی تشفی کے لیے
 یونہی بے سود پرستش کی ہے
 اور انسان نے اک عمر گزادی اپنی

تسلی

روئے نگار دامنِ دل می کشد ولے

قلبِ حزیں رہیں غمِ تشنگی رہا

نظریں ابھی ہجومِ تجلی کی منتظر

نریا دے اثر

اذنِ خرام پا کے سوئے کارواں چلے

یوں ڈھونڈتے ہوئے

منزل سے دور منزلِ معدوم کے نشان

ہر رہ گزریہ نقشِ کفِ پائے رہرواں

گم کردہ راہ تھک کے اندھیروں میں کھو گئے

وارننگانِ خواب سویرے ہی سو گئے

مایوس ہو گئے

موسیٰ کا اشتیاق تھا نہ خضر کی اُننگ

آذر کا کوئی خواب نہ تعبیر پاسکا

تخلیقِ ظلمتوں ہی میں رہ ڈھونڈتی رہی

تکمیل کوئی تازہ اشارہ نہ پاسکی

عزمِ خلیں ہو تو تیر آج تھام لے

اور انتقام لے

لیکن ابھی نہیں کہ تمنا جوان ہے!

بازدید

کتنے در بند شہستان میری رہ تکتے ہیں

اور صنم خانہ ہستی کی پراسرار نقشا

رازِ تخلیق لطافت کی امیں

ارضِ حسین

زندگی اور حرارت سے ہے محروم ابھی

موت کی سرد خموشی کا چلن

دلِ بچ بستہ ہر بت میں امنگیں جاگیں

اپنی پوشیدہ حرارت سے پگھلنے لگا برفاب سا ہر پیکرِ حسن

سر بالین اجلِ زیست نے انگڑائی لی

رقص کرنے لگی پائندہ جوانی کی ہمار

آج کچھ اور ہے دوشیزہِ نظرت کا نکھار

نیم داکتنے درتپے ہیں ابھی میرے لیے

کتنی آنکھیں ہیں کہ خوابیدہ سی پلوں کے جھرد کوں سے مجھے

دیکھتے دیکھتے رہ جاتی ہیں

اور انسانہ شب ہائے گزشتہ و حیاتِ رفت

آج دہراتی ہیں

میں مگر دور بہت دور نکل آیا ہوں

تیز رفتانہ وقت کے ہمراہ رہی

زندگی _____ خود میرے قابو میں نہیں

کیف مختصر

شباب شوق کی اُن دادیوں سے گزرا ہے
 جہاں امنیگیں جو تھک تھک گئیں تو چھوٹ گئیں
 جواں عزائم و بیدار ہمتوں کی کمندیں بھی ٹوٹ ٹوٹ گئیں
 شباب اُڑنے لگا اجنبی جزیروں پر
 وہ میری جرات پر داغ آخری تو نہ بھتی
 وہ تیری گو نجی آواز مجھ تک آنہ سکی
 فضا میں ڈوب گئی
 فضا میں گو نجی رہتی ہیں کتنی آوازیں
 یہ لہریں ہیں، یہی لہروں کے جال ہیں گویا
 حسین اور اچھوتے خیال ہیں گویا
 یہ نور و نکمت و نغمہ کے چند دائرے ہیں
 سمیٹ لے تیری آوارہ آرزؤں کو
 یہ ناتمامی، یہ بچپارگی یہ حسرت و غم
 و غور و درد و الم
 یہ تیری روح پہ بھجایا ہوا غبار یہ اُڑتا ہوا دھندلا سا
 پیری حیات کی ان بیکراں خلاؤں میں
 بکھر کے مجھ کو تو آسودہ کر نہیں سکتا
 شباب بیچ دوں اک کیف مختصر کے عوض؟

جلودں کے شرار

مسکراتے ہوئے جلودں کے شرار
 ناچتے ناچتے گُل ہونے لگے بھٹنے لگے
 چشم میگوں کی چھلکتی ہوئی صبا کا خمار
 حسن محبوب کی نوخیز بہار
 اور الفت کا وہ احساس جمیل
 چاندنی رات ہیں اک تازہ مسرت بن کر
 سارے ماحول پہ یلغار کرے
 ہر طرف نور ہی نور
 رنگ و نکہت کا فنونِ خیز جہاں
 وسعتِ زیستیں، گھرے ہوئے رنگیں نقوش
 کتنے خوابوں کے سہرے سائے
 ظلمتِ شب سے ہم آغوش ہوئے
 آج ایک پر تو رنگیں کے سوا کچھ بھی نہیں
 رُخ دم ڈوبتے تاروں کی طرن
 ایک بے جان تصور کے دیئے
 مسکراتے ہوئے جلودں کے شرار
 ناچتے ناچتے گُل ہونے لگے بھٹنے لگے

سہارا

اندھیارے میں دیپ جلے
 نینوں میں کجرا کی دھارا سونٹوں پر مسکان
 دل میں نئے نئے ارمان
 آنچل ڈھلکے، پائل چھٹکے
 گائے ہے من گیت ملن کے
 جاگی — ایک تمتا جاگی
 سپنوں کو چمکائے، جیون جوت بڑھائے
 نور بکھڑتا جائے
 آئے مسافر، جائے مسافر
 پل بھر کو ختم جائے مسافر
 بھٹکا رہی ایک سہارا پائے
 کمر لوں نے اک جال بنا ہے
 دیپ جلے، اجیارا بر سے، راہ بتائے
 راہی آگے بڑھتا جائے
 سنبھل سنبھل کر دھیرے دھیرے
 منزل ہے نظروں سے اوجھل دور، بہت ہی دور
 دھندلی راہیں پھیکا نور
 اندھیارے میں دیپ جلے

الجبھن

ستاروں کے ٹھہر مٹ میں جب چاند کھل کر ذرا مسکرا دے
 تبسم کے انمول موتی لٹا دے
 زمیں کو حسین تر بنا دے
 فضا جگمگا دے
 کہیں دور جب چاندی رات میں کوئی بنی بجا دے
 جوانی کی بدستیوں کو صدا دے
 ترحم کے دریا بہا دے
 ترانے سنا دے
 وہ ماضی کی وسعت میں بکھری ہوئی ایک رنگیں کہانی
 مجھے یاد آتی ہے وہ زندگانی
 میری نوجوانی
 میری زندگی میں بھری ہوئی آرزوں کا طوفان کیوں ہو
 اسیرِ روایات یہ انسان کیوں ہو
 مقتدرِ پشیمان کیوں ہو
 یہ زندان کیوں ہو

غزلیں



دھواں دھواں سی ہیں شاہیں تو دن ہیں کتنے اُدھیں
 یہ نامرادی دل ہے کہ شدتِ احساس
 بس اک جھلک ہی نے موسیٰ کے ہوش چھین لیے
 مگر بھٹی تو نہیں چشمِ آرزو کی پیاس
 ترا خیال تری یاد جب گریز پا ٹھرے
 تو پھر یہ آٹھیں کیسی ہیں میرے دل کے پاس
 بھٹک رہا ہے بشرِ زندگی کی راہوں پر
 کہ جیسے آہوئے رم خوردہ ہوا سیرِ ہراس
 ہر ایک غم کو کرمِ جان کر قبول کیا
 تو پھر میں کیسے کہوں زندگی نہ آئی راس
 نگاہِ جانبِ ساحل تھی، منتظرِ دل تھا
 کہ جیسے ڈوبنے والے کو تھی کسی کی آس
 بہ فیضِ عشقِ حیاتِ دوام پائیں گے
 کبھی جو ٹوٹ بھی جائے یہ رشتہِ انفاس



اس شہرِ پُربہجوم میں گم ایسے ہو گئے
گوہرِ سہی پہ تہ میں سمندر کی کھو گئے

ہم سادہ دل تھے، مصلحت اندیش ناخدا
ماحل کے پاس لاکے سفینے ڈبو گئے

غیر زں نے گاہ دستِ نعل و نعل بڑھا دیا
اپنے جو تھے وہ راہ میں کانٹے ہی بو گئے

احباب آئے پُرسشِ احوال کے لیے
نامح کی طرح طنز کے نشتر چھو گئے

محرّمِ خواب آنکھیں ہیں اور تیری یاد ہے
تھک تھک کے آسمان کے تارے بھی سو گئے

مُہرِ سکوت لب تھی جا گئے جو دل کے غم
لوگِ مثرہ پہ اشکوں کے موتی پر دے گئے

تیرے کوچے میں بہ عزم سرفروشی آئے ہیں
 نقدِ دل، خونِ جگر، ندوانہ جاں لائے ہیں
 دشمنوں پر بھی رہے سایہ فنگنِ مثلِ شجر
 ہم نے پتھر کھاکے بھی پھل پھول ہی برسائے ہیں
 لذتِ آزار کا خوگر ہوا قلبِ حُزین
 مثلِ گلشنِ بخیل اٹھا ہے زخمِ اتنے کھائے ہیں
 تیری تسکین کے لئے ہم نے دل درد آشنا
 اپنی خوشیاں بانٹ کر اردوں کے غم اپنائے ہیں
 راستے دیرِ حرم کے اس قدر پُرتیج تھے
 میکدے کی طاہ سے ہم سوئے منزل آئے ہیں
 آمدھیوں کی زد پہ ہے پھر شعلہ جاں الحذر
 نامِ تنہائی ہے یادوں کے دُھندلکے چٹائیں



کیا خبر تھی ایک ہلکی زنجشِ باہم کے بعد
دو دلوں کے بیچ حائلِ فاصلہ ہو جائیگا

دل کی ہر دھڑکن میں رگ و بے ثباتی کا ہے خوف
یہ اگر مٹ جائے تو انساں خدا ہو جائیگا

دوستی اور پیامتیں سب اتفاقِ وقت ہیں
وقت پٹے کا تو سایہ بھی جُدا ہو جائے گا

یونہی محبِ کاتے رہو نعمتوں کے شعلے دم بہ دم
ورنہ سازِ زیست محرومِ صدا ہو جائے گا

میرا پندارِ جنوں محتاجِ حیا رہے نہیں
درِ جبِ حد سے بڑھے گا خود دوا ہو جائیگا

جھوٹ کا ہے بول بالا مدعی کی خیر ہو
سچ جو دہراؤ گے دعویٰ کھوکھلا ہو جائیگا

چھترا ہے شہر کی گلیوں میں اک شخص جو مارا مارا سا
 ہے اور جِ فلک کا ٹھکرایا، آکاش کا ٹوٹا سا
 مگر کوہِ گراں سے ٹکراتا دھرتی پر اُمرت برساتا
 بے فیض مگر اُڑتا ہی رہا، موجی بادل آوارہ سا
 کبھی ٹیس بنکے جاگتی ہے کبھی یا کے چرکے دیتی
 اک موہنی صورت، سُندر صُوت، نام بہت ہی پیارا سا
 بڑھتے ہی چلو چلتے ہی رہو اب دار پہنچ کر دم لیں گے
 جب راہِ دفا پر چل نکلتے نظر نکل پا کے اشارا سا
 کیا جلنے آتش نکل عطبر کی یا برقی جلوہ لہرائی
 خرمین کے قریں دیکھا تو تھا اک شعلہ ایک شرارہ سا
 پھر پیار کا بادل گھر گھر آئے ٹوٹ کے بسے پاس چھبائے
 یہ جلتے ہوئے سنگتی آنکھیں تپتا بدن انکارا سا
 ٹکرا کے ٹوٹی ڈوب گئی، کشتی کا اپنا مقدر تھا
 منجھدار سے ساحل تک تو گئی طوفاں کی پاکے سہارا سا

نظر ملا کے سرِ بزمِ گفتگو کرتے
تو بے رُخی کا گلہ ان کے روبرو کرتے

وہ چشمِ مست اگر ہم پہ ملتفت ہوتی
اُسی کے نام پہ خالی کئی سبوت کرتے

حصارِ تیرہ شبی میں سدِ اگھر ہے ہی ہے
تو کیسے چاند ستاروں کی آرزو کرتے

مرالضیب تھا آوارگی و در بدری
اک غمِ بیت گئی تیری جستجو کرتے

ترازو تیرے دل میں جن نگاہوں نے
اُنہی سے آس بھٹی داماںِ دل رفو کرتے

دراز دستی گلچیں سے باخبر ہوتے
جہن کے پھول نہ پھر خواہشِ نمونہ کرتے

میں خود ہی سازشِ احبابِ شکاک کا تھا
تو میرے قتل کا سامان کیوں غدو کرتے

فقیہِ شہر کے فتوے کا پاس تھا اور نہ

درِ حبیب پہ اک سجدہِ بادِ وضو کرتے



موسمِ ہجر ہے اور عالمِ تنہائی ہے
 دل کے غم خانے میں یادوں کی پذیرائی ہے
 آؤ زندانِ کا در توڑ کے نکلیں کہ صبا
 آمدِ فصلِ بہاراں کی خبر لائی ہے
 حرفِ حق کا تو صلہ دار ہے یا ساغرِ سم
 دیکھئے کس میں یہاں جبرأتِ گویائی ہے
 لب اگر کھولوں تو دل پر کئی الزام آئیں !
 چپ جو رہ جاؤں تو اندیشہٴ رسوائی ہے
 فرقتِ دوست میں یہ دولتِ بیاد و ملی
 شب کے بے خواب ساروں سے شاسائی ہے



بانجھ رُتوں سے شگفتگی کی جھوٹی اُس
طبع جنوں کو موسمِ گل بھی نہ آیا راس

ترکِ وطن تو لقمہٴ ترکی تلاش ہے!
سچ تو یہ ہے یہ ہجرت ہے اور نہ بن باس

قریبِ جاں پر دردِ الم کی یورش ہے
آج نہ جانے شام ہی سے کیوں دل ہے اداس

رہ رہ کے تڑپاتی ہے یوں تیری یاد!!
نشتِ زہر آگئیں ہے جیسے دل کے پاس

یہ جیون تو جیسے بیتا بیت گیا
لُٹ نہ جائے وعدہٴ فردا کا دشواں

تیشہ زن کی روایت ہم سے زندہ ہے
آج کے دور میں کون ہے ہم سادنا شاخس!



سفر حیات کا مشکل گزار تھا یارو
 تھا ہر کابِ نقطہ اپنا حوصلہ یارو
 میری لحد پہ لکھو منزل آشنا تھا مگر
 کسی کے پیار کی راہوں میں کھو گیا یارو
 ڈبو کے مجھ کو بھرم رکھ لیا تلام نے
 مجنوں سرشت اور احسانِ ناخدا یارو
 ضمیرِ بچ کے پائی کسی نے بھیک کی زیت
 خوشا کہ ہم کو ملا دار کا صلہ یا و
 بہار گانے لگی، زیت مسکرانے لگی
 گلاب رنگ سا چہرہ جو کھل اٹھا یارو
 ذرا تراشتے ہیرا تھا بے بہا ہیرا
 وہ ننگ راہ جو ٹھکرا دیا گیا یارو
 بس ایک ضربِ امر ہو گیا ہے تیشہ زن
 بے موت و زیت میں اتنا ہی فاصلہ یارو
 تھا جو بھی میرا مقدر وہ بے طلب پایا
 خودی کی موت ہے اک حرفِ انتجا یارو

ہے اک سکون سا چہرہ پہ بعدِ مرگ عیاں
 حیاتِ قرض تھا جیسے اُتر گیا یارو



کسی نے سوئپ دیا اپنے دل کا راز مجھے حیات بخش گئی چشمِ نیم باز مجھے
 بڑھا تھا دستِ حرم سے جامِ جم لیکن تیری نظر نے دیا فتوے عِجاز مجھے
 جیسے شوق نے کون دم کہاں میں ڈھونڈ لیا مگر ملانہ کہیں آستانِ ناز مجھے
 یہ اور بات ہے ماحول سازگار نہیں نہیں کہ تیری محبت سے احتراز مجھے
 میری نگاہ جو اٹھی جبینِ دہر جھکی بلند کر گیا اک سجدہ نیاز مجھے
 بڑھلے جامِ ادھر ہنس کے دیکھتے ہیں اُدھر نگاہِ مست نے بختِ یہ امتیاز مجھے
 شعورِ ذات نہ احساسِ وقت فصل رہا کہاں یہ چھوڑ گیا عشقِ فتنہ ساز مجھے
 تیرے خیال تیری یاد تیری الفت نے کیا ہے فکرِ زمانہ سے بے نیاز مجھے
 نہیں ہو تم نہ سہی زندگی حسین تو ہے کر یا دے ابھی اک شامِ دلنواز مجھے

وہ سوزِ عشق ہے الہامِ حاصلِ غمِ دل
 کیا جو ان کی محبت نے سرفراز مجھے



حیات کی منزلیں ہیں روشن، چراغ راہوں میں جل رہے ہیں
بہ فیضِ ذوقِ یقین سدا ہم رہیں سعی و عمل رہے ہیں

بڑھے اُجالے، مٹے اندھیرے، کُھلے ہیں پھر فتح کے پھر یہ
خوشالے گیتی کہ دور افتادگانِ منزل سنبھل رہے ہیں

نظرِ نظرِ جگمگائے، قدم قدم منزلیں تھیں لیکن
بہ زعمِ تکمیل ہم ازل سے رہ تمنا یہ چل رہے ہیں

سلگ رہے ہیں دلِ شکستہ میں بیتی یادوں کے چند شعلے
ہیں خود فریب کے سہ پہانے جو آرزوین کے پل رہے ہیں!

رُکے جو منزلِ سمجھ کے اے دل تو کھا گئے پھر فریبِ منزل
ضمانہ غم وہی ہے لیکن ہنوز غمناں بدل رہے ہیں

حیات کی تلخیاں گھٹا دیں، عمل کو رنگینیاں عطا کیں
اُہنی دنوں کی لطافتوں نے جو زیست کا ما حاصل رہے ہیں

مقبول دُعا میں ہوں کہ نہ ہوں اے حسن گزیراں یوں ہی سہی
نالہ ہو یا آہ نیم شبی تسکینِ دل و جاں یوں ہی سہی

ہر زخمِ لبور لواتا ہے نگین ہے جادہ مہر و وفا
بڑھتے تو ہیں سوئے منزلِ نولے خارِ غملاں یوں ہی سہی

ہم اہلِ وفا کی بربادی ہے وجہِ فروغِ رعنائی
کھیتی ہے یہ خاکِ پروانہ لے شمعِ فروزاں یوں ہی سہی

پشورہ گلِ مُرجھائی کھلیاں، غنچوں کے اُتے چہرے
بدلی جو ہواے موسمِ گل، تریں گلستاں یوں ہی سہی

پھر جذبِ دُفا نے اکسایا، پھر یاد نے تیری نثرِ پایا
دل سوئے محفل لے آیا، لے شوقِ فراواں یوں ہی سہی

تیری یاد سے جی ہلاتے ہیں، بیتے ہوئے دن یا آہیں
روشن تو ہیں اِرا مانوں کے دیے، لے شامِ شبستاں یوں ہی سہی

تسکینِ اہلِ مہرِ کماں، نعمِ جزوِ زیست بہرِ عواں
ہے وجہِ سکونِ سوزِ درواں، اس درِ کدِ دریاں یوں ہی سہی

کہتے ہیں کھلا ہے پھیرِ شمعِ سچے ہیں گلوں کے پیرا ہن
ہم اور فراقِ اہلِ چمن لے گوشہِ دریاں یوں ہی سہی

پھر پھر غم نے سیرِ محفلِ دلِ عرضِ تمناں پر مائل
اکہہ دیں اُن سے حالتِ دل لے بسِ حلالِ یوں ہی سہی



شامِ فراق کا ذکر نہ چھیڑ دیجانی کی ساعت میں
حاصلِ نصیب وہی لمحے ہیں گزرے جو ان کی قربت میں

آئیں ہیں ہے دُشنہ پہناں لب پہ تبسمِ طنسز آمیز
آج کے دور میں فرق ہی کیا ہے دوستی اور صداقت میں

موت نے آکر دستک دی ہے پھر بھی تیری آس لگی ہے
دل پہ جو بیتی سوزیتی اب جانِ حویں بے آفت میں

عجز کی فطرت، صبر کی دولت، ہر دکھ سہنے کی ہمت
تیرا کرم کیا کچھ نہ پایا میں نے تیری چاہت میں

خلوت میں یوں گھل مل جائیں جیسے اک جانِ دو قالب
برسرِ محفل وہی تغافل شامل ان کی فطرت میں!



عشق کے بانچن کی بات کریں
 بزمِ رنداں کے تذکرے چھیڑیں
 موسمِ گل کی آمد آمد ہے
 پھر تیرا کیفِ چشمِ یاد آیا
 کھلتی کھلونوں کا روپ کیا دکھیں
 حسنِ مہتاب لو نکھر آیا
 ناراضِ دل کا ذکر ہے مقصود
 عزمِ منصور جاگ اٹھا ہے
 اے غمِ دل کسی نے یاد کیا
 ہنریا زلف و عطر بیز بدن
 کسی شمسِ قد کی یاد آئی
 مہ کا نجومِ ستاروں کی افشاں
 شبِ مہتاب اور فصلِ بہار
 اُن کے سُن پر بکھر گئیں زلفیں

جذبہ کوہن کی بات کریں
 ردقِ انجن کی بات کریں
 آؤ اس گلبدن کی بات کریں
 نرگس و یاسمین کی بات کریں
 کسی غنچہ دہن کی بات کریں
 مہ دُش و سیمِ تن کی بات کریں
 لالہ و نستر کی بات کریں
 آؤ دار و رسن کی بات کریں
 اک ذرا حسنِ ظن کی بات کریں
 بوئے مشکِ ختن کی بات کریں
 اوجِ سروِ سخن کی بات کریں
 آؤ شب کی دُہن کی بات کریں
 کسی ٹکلی پیرہن کی بات کریں
 آؤ مہ کے گہن کی بات کریں

شامِ زندان ہے آج کتنی اُداس
 صبحِ صحنِ چین کی بات کریں



جنونِ عشق کو آزارِ جاں بھی کہتے ہیں
 کبھی سکونِ دلِ عاشقاں بھی کہتے ہیں
 یہ کس کے نقشِ قدم ہیں کہ جگمگا اٹھی
 وہ رگِ زک کہ جسے کہکشاں بھی کہتے ہیں
 ہوئے جو قتل تو قیدِ الم سے چھوٹ گئے
 عدوئے جاں تھے ہم مہرباں بھی کہتے ہیں
 دل اُن سے اب بھی وفا کی امید رکھتا ہے
 ایسی یقین کو وہم و گماں بھی کہتے ہیں
 بھڑکتی آگ دلوں کی بجھا بھی دیتا ہے
 وہ جامِ مئے جسے آتشِ بجاں بھی کہتے ہیں
 بے خاک و خون میں غلطیہ آگ اگلتا ہے
 میرے وطن تجھے جنتِ نساں بھی کہتے ہیں



تیرے ثنایہ کیا طرز بے نیازی ہے
 کبھی عتاب کبھی شانِ سرفرازی ہے
 رخِ حبیب ہے حسنِ ازل کا آئینہ
 کہ برقِ طور بہ پیرا ہن مجازی ہے
 کمالِ سادگی و شوقِ خود نمائی بھی ہے
 تیرے جمال کا یہ وصف امتیازی ہے
 کیا جو دل نے کبھی یاد وہ چلے آئے
 یہ جذبِ عشق کا اعجازِ کار سازی ہے
 خوشا اے رہزنِ ایماں کہ شاملِ محفل
 فقہِ شہر علی الرغمِ پاکبازی ہے
 جلالِ حسن کبھی شانِ انکساری کبھی
 مزاجِ غزنوی و سیرتِ ایازی ہے
 نگہِ شریکِ ادا پر وقارِ خندہ بہ لب
 تیری قسم ہی اندازِ دلنوازی ہے



شام ڈھلنے لگی سائے گھٹنے لگے
فاصلے دو دلوں کے سمٹنے لگے

ہوش میں رازِ اُفت چھپاتے رہے
بے خودی میں ترا نام رٹنے لگے

نسل، مذہب، زبان، تفرقے الامساں
کتنے خالوں میں انسان بٹنے لگے

یادِ حبا ناں کا چنرا چمکنے لگا
فکرِ دوراں کے بادل جو چھٹنے لگے

خود فریبی کا ٹوٹا طمسِ حسین
اپنی جھوٹی آنا سے نمٹنے لگے

بہتی یادوں نے الہام تڑپا دیا !
زندگی کے ورق جب اُلٹنے لگے



اک کربِ مسلسل کہ محیطِ دل و جاں ہے
یا آتشِ سیالِ رگِ ٹپے میں رواں ہے

احساس پہ ہر لمحہ نئی چوٹ لگے ہے
ادراک کہ خمیازہ کشِ سوزِ نہاں ہے

مخمل میں تری جس پہ بھی اٹھتی ہیں نگاہیں
مایوسِ نظرِ چاکِ بگرِ سوختہ جاں ہے

اے دورِ پیرِ آشوبِ اماں ہے تو کہاں ہے
ہر کوچہ و بازار میں مقتلِ سماں ہے

کشتی کو جھلاتے ہیں جو طوفاں کے تھیرے
خوشِ فہم کو نزدیکِ سادل کا گمناں ہے

دریا کے قریں ظلمِ نہایت کی ہے یورش
دریا سے پیرے قافلہٗ تشنہ لبیاں ہے

یہ زیست کے تپتے ہوئے صحرا کا سفر ہے
صد شکر ابھی حوصلہ و عزمِ حواں ہے

رَادھا

مستانے، مست جوانی، جاگی نئی اُننگ

یم دیوانی، رادھا رانی، ناچے سکھیں سنگ

ما تھے لاگی بندیا چپکے، چند اکو شرمائے

لہرائے زلفوں کے یاد لہن کجروا بھائے

ہرے میں شہنائی باجے پائل گیت سنائے

من ہی من شرمائے جب یاد پیا کی آئے

آنکھ شربی ہو نہ ٹکائی، کھلتی کلی کارنگ

پلکوں پر سپنے لہرائے نین بسی تصویر

آشاؤں کے دیپ جلے ہیں جاگ اٹھی تھیر

کو کے کو یلیا کائے پیسا، لائے جیا یہ تیر

بن سا جن بیا کل ہے من کوئی کاہ کرتد میر

پی کی لگن میں موجی من میں اٹھی نئی ترنگ

آنکھیں انسوں بار پر دھن ہو نہ ٹوں پر مسکان

سانچھ سویر، یاد پیا کی نسدن پی کا دھیان

من بیکل نظروں سے اوجھل ہرے کا ہمان!

جلے بجھے آس کے دیکھ دل ہے ابھی نادارہ

سبھی ہنسائے کبھی لائے، پریت نیار ڈھنگ

گیت

جلتی آرش، تپتے ارماں اور مجھے اکساتے ہیں
کھیل جواری، پریم پجاری، جیوں یونہی بتاتے ہیں

غم کے دھندلے دکھ کے سائے سائے کیوں لہراتے ہیں
بتا کی گھنگھور گھٹائیں، آنسو اُٹاتے ہیں

آنکھیں جیسے صبح کے تارے تھک تھک کر سو جاتے ہیں
حسنِ سحر سے پھلے مدھم بے رنگت ہو جاتے ہیں

ان آنکھوں کی جوت نرالی، جلتی بجھتی رہتی ہے !
صدیوں پرانی، وہی کہانی، میری جوانی کہتی ہے !

کرشن سراری بنسی چھٹیریں ایک مہر سنگیت سنائیں
کوئل گائے پائل باجے پھول کھلے تارے مسکائیں

رادھارانی ناچ رہی ہے ناچے سارا ہندو ابن
سُکھ کا ایک ہی سپنا دیکھا رو رو بیت گیا جیون

دُکھ سُکھ کی یہ گنت گجمن لہریں یونہی بہتی ہیں !
نئے رنگ سے نئے ڈھنگ سے وہی کہانی کہتی ہیں !

نذرانہ عقیدت

۱. کعبۃ اللہ ————— ۱۱۶
۲. مدینہ منورہ ————— ۱۱۶
۳. لب فرات ————— ۱۱۷
۴. کربلا ————— ۱۱۸
۵. حسینؑ ————— ۱۱۹
۶. حسن مختصر ————— ۱۲۰

یادِ رفیقان

۱. مولانا حالی
۲. مہمان آتما
۳. جگر مراد آبادی
۴. ابراہیم جلیس
۵. احسن علی مرزا
۶. سری نواس لاہوٹی
۷. عزیز قلیسی
۸. سید عابد حسین رضوی

کعبۃ اللہ

وہ معبدِ اول وہ براہِ ہم کا کعبہ
وہ نورِ مجسم وہ جمالِ رُخِ زیبا
ہے دیدہٴ بینا کے لیے طور کا جلوہ

ہو قلبِ حق آگاہ تو کھل جاتے ہیں اسرار

ہلینہٴ منورہ

جس شہر میں ہوتی ہے سدا بارشِ انوار
کشکولِ بدست آتے ہیں رحمت کے طلبکار
تسکینِ دل و راحتِ جاں آپ کی دربار

اے احمدِ مختار — گل کے مددگار!

”لب فرات“

یہ بہتا دھارا کہتا ہے موجوں کی روانی ختم نہ ہو
تاریخ نے صدیوں پہلے جو چھٹری تھی کہانی ختم نہ ہو
سو پلٹے کھائے دنیا نے اور کتنی صدیاں بیت گئیں
نُصرت نے چوے حق کے قدم ہل کی فوجیں جیت گئیں
جب نُوں کے سوتے پھوٹتے ہیں گمراہی کے اندھیالوں
کبھی آتش کو گلزار کیا کبھی آگ لگائی بہاروں میں
کبھی آپش میں پھونکے یا خود اپنا گھری لٹا بیٹھے
کہیں جینے کے ہیں لاکھ جتن کہیں اپنی جان گنوا بیٹھے
ہے زلیست گریزاں موت ہے رقصِ تیغوں کی جھٹکا نہیں
انصاف کی کچھ لٹکاریں ہیں اور کہیں اپنی تنواریں ہیں
کوئی فخرِ نوعِ انسانی کہیں لپٹا پُستِ شیطان ہے
کوئی طالبِ عیشِ دو عالم کوئی وقفِ راہِ یزداں ہے
ساحلِ یہ کون تو آج بھی ہے ہنگامہ ستائش نہیں
یا وقت کی نبضیں ڈوب رہی ہیں ل کی دھڑکن تیز نہیں
پر گامِ یہ ٹھوکر کھائی ہے انسان سنبھلتا جاتا ہے
تعجیل ہوتا خیر زمانہ رنگ بدلتا جاتا ہے

کربلا

کربلا اے مرکزِ اہلِ یقین
اے شہیدانِ وفا کی سرزمین

(۱) صدیوں پہلے تجھ پر خمِ زن تھا جو اک قافلہ
بھول سکتی ہی نہیں دُنیا وہ عزمِ حوصلہ
حقِ باطل کی کشاکش، خیر و شر کا معرکہ
جنگِ حق بے شک مگر مقصد نہ در تھانہ زمین
(۲) مٹھو کروں کی زوئیں تھے گنگی سدا تاجِ ونگین
پیکرِ صبرِ رضا وہ سبطِ ختمِ المرسلین

(۳) صبح دمِ گونجی سحرِ حیرا جو آوازِ اذال
سرِ بکھن میداں میں تھے پیر و صغیر و نوجواں
بہرِ ناصحتی کے مقابلِ دینِ حق کے پاساں
اپنے خوں سے کشتِ دین کی آبیاری کر گئے
نقشِ اَلَا اللہ میں رنگِ صداقت بھر گئے
وعدہ پورا کر کے پیشِ دُعا اور محشر گئے
(۴) تپتے صحرا کی تمازت اور وہ تشنہ لبی
جان سے پیاری تھی جس کو حرمتِ دینِ نبی
اُن سے سیکھا ہے زمانے نے شعارِ بندگی
کربلا کیا ہے دلیلِ عظمتِ کردار ہے
بیعتِ فاسق کے آگے حرأتِ انکار ہے
ظلم کی تاریکیوں میں مطلعِ انوار ہے

کربلا ہے مرکزِ اہلِ یقین
کشتگانِ راہِ حق کی سرزمین

حُصَیْنُ

حیات کی مشعلیں جلا دیں
 قدم قدم جنتیں بچھا دیں
 نظر نظر رنر لیں دکھا دیں
 نفس نفس بوئے حق پرستی
 یہ سر بلندی یہ اوج ہستی

یہ دشت غربت کا میہماں ہے
 یہ بے سہاروں کا پاساں ہے
 حقوقِ انساں کا تر جال ہے
 لبوں پہ ہے موت کا تبسم
 اڑا وہ رگِ فتحِ نظم

اجل کی بیچارگی تو دیکھو
 عروجِ صد زندگی تو دیکھو
 یہ شانِ پائندگی تو دیکھو
 غرورِ باطل پہ فتح پائی
 عمل کی تاریخِ جگمگائی

حُسنِ منظر

(اگر زمانہ کے اعتبار سے)

اے حُسنِ ازل اے نُورِ عملِ تخلیق کے عُقدہ لایمحل
مشتاقِ نگاہوں سے او جملِ ارمانِ جسمِ بن کے نکل

ہم تابہ ابد ڈھونڈیں گے تجھے
روشن کر کے عرفاں کے دیئے

مقصودِ اہلِ ایساں ہے مسجودِ جبینِ انساں ہے
حمودِ بنمِ عرفاں ہے ہر ذرہ تیرا ثنا خواں ہے

ہم تابہ ابد ڈھونڈیں گے تجھے
روشن کر کے عرفاں کے دیئے

تائیدِ بختِ سیماں ہے تقدیرِ موسیٰ عمراں ہے
تغییرِ یوسفِ کنعاں ہے توجہِ اوجِ ناراں ہے

ہم تابہ ابد ڈھونڈیں گے تجھے
روشن کر کے عرفاں کے دیئے

توجہِ ثباتِ دوراں ہے تخلیقِ غزل کا عنوان ہے
تور و نوبتِ بنمِ امکاں ہے تکمیلِ نظر کا سماں ہے

ہم تابہ ابد ڈھونڈیں گے تجھے
روشن کر کے عرفاں کے دیئے

یادِ رفتگان

مولانا حالی

اُفقِ نو سے اُبھرنے لگی تنویرِ سحر
 کچھ سسکتے ہوئے تاروں نے سنبھالا لے کر
 شب کی آغوش میں دم توڑ دیا
 گل ہوئی شمعِ شبستانِ غزل
 محفلیں سرد ہوئیں
 قہقہے غم کی فضاؤں میں کہیں ڈوب گئے
 اب وہ سنگیت وہ آہنگ نہ تھا
 یوں نوصدلیوں سے دھڑکتا رہا فنکارِ کمال
 اور پلکوں پہ دھکتے رہے خونیں تارے
 نگہ نبض شناسِ شاعر
 ڈھونڈتی تھی دلِ ناداں کے لیے راہِ فرار
 ظلمتوں میں کبھی، پرہولِ خلاؤں میں کبھی
 زندگی خستہ و مجروح و نزار
 اُن سسکتے ہوئے تاروں نے سنبھالا لے کر
 شب کی آغوش میں دم توڑ دیا
 اُفقِ نو سے اُبھرنے لگی تنویرِ سحر
 اور خورشیدِ درخشاں کی ضیا باری سے
 آج ایوانِ ادب
 جلوہ بَرَقی سہرِ طورِ نظر آتا ہے
 نور ہی نورِ نظر آتا ہے

”مہان آمتا“

تظلم کی اُن بیکراں ظلمتوں میں
دیا ٹپکتا رہا آندھیوں میں

سُکھتی ہوئی قوتوں نے سنبھالا
کبھی تیز اور تند جھونکوں نے پالا
بکھرنے لگا حیا رِجانب اُجیالا
بعزم ہمالہ بڑھا اک جیالا

جو طوفان سے اُچھے، تلاطم سے کھیلے
ستم سامراجی سیاست کے جھیلے
مخالف عناصر سے ٹکرا کے گذرا
کہ گردِ رہِ کارواں تھے جھیلے

پہاڑیے تنگ و درو کا حاصل ہی ہے
خوشائیر گائی کہ منزلِ یہی ہے
نہ اب شورِ طوفان نہ جوشِ سموج
سَفینہ الٹ دو کہ ساحل یہی ہے

زمانے پہ اک تیرگی چھپا گئی ہے
امرِ پریم کی جوت دھندلا گئی ہے

جگر (مُراد آبادی)

ابھی تو رنگ پہ آئی نہ بھئی بہارِ چمن
 ابھی تو سج ہی رہی تھی نگارِ فکر و خیال
 شمشیم گیسوئے اردو بکھر رہی تھی ابھی
 یہ کون اُٹھ کے چلا بزمِ کہفِ وستی سے
 چراغِ صبحتِ رفتہ تھا روشنی کی دلیل
 وہ جس کے طرزِ تکلم میں تھی ملاوتِ غم
 وہ جس کی محفوکِ روی کی زد میں اک نہ تھا
 وہ جس نے محفلِ زنداں کو تازگی بخشی
 وہ جس نے عشق کے ہر رد کو پسوارا تھا
 ونا کو رنگِ نشاطِ دوام بخش دیا
 تھے نشہ کام جو آوارہ گانِ کمرے بیاں
 لُٹائے گوہرِ معنی تو بھر دیا دامن
 غزل کو فکری وہ دعائیں عطا کر دیں
 ابھی سنو ہی رہا تھا حیات کا گلشن
 ابھی بکھر ہی رہا تھا سخن کا حُسن و جمال
 عروسِ شعر کی شوخی اُبھر رہی تھی ابھی
 یہ کس نے توڑ لیا اپنا رشتہ ہستی سے
 روایتوں کا امین رہنا مے فکرِ جمیل
 وہ جس کی طبعِ جنوں بے نیاز چشمِ کرم
 مزاج جس کا ازل ہی سے عاشقانہ تھا
 وہ جس نے رنگِ تمنا کو دلکشی بخشی
 دلِ جنوں میں نیا حوصلہ اُبھارا تھا
 لبِ حیات کو سحرِ کلام بخش دیا
 بقدرِ ظرفِ عطا کر رہا تھا پیرِ مغاں
 جگر کے خون سے سینچا حیات کا گلشن
 دلِ وجود میں چنگا ریاں نئی بھر دیں

اگرچہ مدتوں روئیں گے تجھ کو اہلِ چمن

تیرے کرم سے درخشاں رہے گی نرم سخن (۱۹۶۰ء)

ابراہیم چلیس

(حیدر آباد کے مشہور افسانہ نگار جو سقوط حیدر آباد کے بعد پاکستان چلے گئے تھے۔ برقی پندر جٹانے حامی تھے اور پاکستان کی فوجی حکومت کے دور میں حلت کر گئے)

دور دیش سے آئی خبر دُنیا سے کوئی رُوٹھ گیا
پانی جگ سے پھیر لیں نظریں سانس کا رشتہ ٹوٹ گیا

کون تھا وہ انجانا تھا، اپنا یا بیگانہ تھا
ہاں اپنا ساتھی تھا ہم جیسا ہی دیوانہ تھا

اُس دم مرنے کا پالا تھا اس محفل کا اجیا لا تھا
ظلم اور ایتا چار سے لڑنے والا ایک جیا لا تھا

اس گلشن کی شادابی میں اُس کا خون بھی شامل تھا
اہل دل کو یاد ہے کل تک وہ بھی شریکِ محفل تھا

ہم سے کوسوں دور سہی ہمارا تھا ہم واڑ تھا وہ
مجبوروں اور مظلوموں کا حامی تھا دمساز تھا وہ

اس کی زباں تھی نوکِ خنجر اُس کا قلم تیغِ برآں
اُس اُگلتا، گل بکھرتا سوئے منزلِ رواں دواں

موت نے بڑھ کر ہر گادی آتش افشاں ہوٹوں پر
تا دیکھیں ہیں تعزیریں ہیں سچائی کے اصولوں پر

پر جہدِ ثواب بھی جاری ہے
ہر دل میں وہی چنگاری ہے

جب تک نام و فاباقی ہے یاد رہے گا نام تیرا
محفلِ محفل اُسی جوش سے گوئیے گا پیغام تیرا

احسن علی میرزا

(حیدر آباد کے ایک سینئر جرنلسٹ اور دیرینہ رفیق)

وہ اک چراغِ سرِ رہ گزار تھا یا رو
 جو آندھیلوں کے مقابل بھی ٹھٹھاتا رہا
 جنوں سرشتِ جیالوں کا ہم نوا بن کر
 خلوص بانٹتا، راہِ وفا سجھاتا رہا
 لبوں پہ حرفِ شکایت نہ شکوہِ دوراں
 ہزار زخمِ سہے پھر بھی سُکراتا رہا
 جنوں عشق نے وصفِ قلندرؔ بخشا
 فریب کھاتا رہا، زندگی نبھاتا رہا
 شعور و فکر و فراست کا مول ہوتا ہے
 خلوصِ فن کا کسی کو صلہ نہیں ملتا
 نظامِ زیت کا اب بھی وہی چلن ہے جو تھا
 غیور دل کو کہیں آسرا نہیں ملتا
 مگر کبھی کبھی اے رہرواں راہِ وفا
 کریں گے راہِ نئی تمہارے نقشِ قدم

سری نواس لاہوٹی

(— کمیونسٹ پارٹی اور انجمن ترقی اُردو کے سرگرم کارکن اُردو اور ہندی کے ادیب —) (۳۱ مئی ۹۲)

چلو کہ ختم ہوئی داستانِ جہد و عمل
قرارِ دل کا بہانہ بنا پیامِ اجل

وہ دل جو اوزں کے دکھ درد کا شناسا تھا
جو دوستدارِ محبت و وفا کا پیاسا تھا
وہ دل جو مذہبِ انسانیت کا پیرو تھا
وہ با اصول تھا، منزل شناس رہبر و تھا
ہم رسیدہ غریبوں کا غمگسار تھا جو
جفا کشوں کا بھی ہمدرد و جانثار تھا جو
صعوبتیں بھی سہیں اور اسیرِ ظلم رہا
غور و جبر کے آگے کبھی جو سر نہ جھکا
سکونِ زیست کو اور مال و زر کو ٹھکرا کے
وہ مطمئن تھا رہِ خوار زار اپنا کے

جسے بچو خلق کی خاطر وہ مرنے نہیں سکتا
بچنے زمانہ فراموش کرنے نہیں سکتا

نما تجویش کا، صرغہ تحریف کے ساتھ ”جمہور کے خلق جیتا ہے وہ مر سکتا نہیں“

”غزنیہ قلیسی“ (یکم اکتوبر ۹۲ء)

جسم و جاں کا رشتہ ٹوٹا
جگ کا ہر بندھن ہے بھوٹا

اب نہ کوئی سنگھی نہ ساستھی اور نہ کوئی ہمارا
نغمہ نہ بھسکار کوئی، محروم صدا ہے ساز
دور خلا میں ڈوب گئی وہ گونجتی آواز

روح کے کرب کا مظہر تھی اُس دُکھیا دل کی نگار
رن بھومی میں جیسے جیا لے ویروں کی لکار
کبھی ریلے شبِ دول میں تھا چاہت کا اظہار

تشکیلِ فن میں شامل تھا اُس کا خونِ جگر
بزم ہو یا کہ رزم یکساں تھا وہ اہل ہنر
حیف کہ موت سے اس دُنیا میں بچا نہ کوئی بشر

آخر اُس کا دامن چھوٹا
جسم و جاں کا رشتہ ٹوٹا

سید عابد حسین رضوی
 (چار مینار کو آپریٹو بینک کے بانی اور سات سال تک معاون خدایت کی
 (۲۹ مارچ ۱۹۶۳ء)

مومن تھا، پاکباز تھا، مردِ غیور مہتا
 حساس دل، خلیقِ صفت، باشعور مہتا

دوات کی چاہ تھی نہ تو نام و نمود کی
 واقف تھا اہمیت سے وہ اپنے وجود کی

ملت کی کامرانی کی راہیں سمجھا گیا
 عزت سے زندہ رہنے کے وہ کوسکھا گیا

خدمت تھا اُس کا دین تو ایمان تھا وفاق
 اک کاروان لے کے بڑھا منزل آشنا

کتنوں کے دامنوں کو وہ خوشیوں سے بھر گیا
 بہتوں سے جو نہ ہو سکا وہ کام کر گیا

نام اُس کا لیں گے اہلِ وفا احترام سے
 زندہ رہے گا مدتوں وہ اپنے کام سے